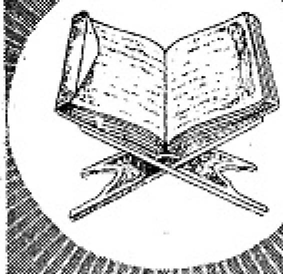

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار طلوعِ اسلام کراچی

جلد ۸
شمارہ ۷

ہفتہ ۱۹ مارچ ۱۹۵۵ء

قیمت چار آنہ
سالانہ دس روپے

قران نے کیا کہا

سینٹ پال کی بنائی ہوئی عیسائیت نے کہا کہ ''خدا کا حصہ خدا کو دو اور قیصر کا قیصر کو''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مذہب کا دائرہ الگ ہے اور سیاست کا الگ۔ مذہب سے مفہوم ہے خدا اور بندے کا ذاتی تعلق۔ اور سیاست کے معنی ہیں دنیاوی معاملات۔ خدا کی پرستش کرو اور دنیاوی معاملات کے فیصلے جس طرح جی چاہے کرتے جاؤ۔

قران نے کہا کہ یہ تصور بالکل غلط ہے۔ خدا پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنے دنیاوی معاملات خدا کے قانون کے مطابق طے کرو۔ اگر ایسا نہ کروگے تو تمہارا دعوے ایمان کسی کام نہیں آئیگا۔

الم تر الی الذین یزعمون انھم آمنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک۔

کیا تو نے ان لوگوں کی حالت پر غور نہیں کیا جو بزعم خریش یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس قران پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تیری طرف نازل کیا گیا ہے اور ان کتابوں پر بھی جو تجھ سے پہلے نازل کی گئی تھیں۔

ویریدون ان یتحا کموالی الطاغوت ۔

اور چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کے فیصلے غیر خدائی قوانین کی رو سے کرائیں۔

وقد امروا ان یکفروا بہ۔

حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ ہر غیر خدائی قانون سے انکار کردیں۔

ویرید الشیطن ان یضل ھم ضللا بعیدا (۴/۶۰) ۔

دراصل بات یہ ہے کہ شیطان چاہتا ہے کہ ان لوگوں کو خدا کے راستے سے بھکا کر دور لے جائے۔

طلوعِ اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ ....

۱ تنہا عقل انسانی (عقل و زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اسے اپنی راہنمائی کیلئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی۔

۲ یہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم میں محفوظ ہے۔ اس لئے نوعِ انسانی قرآن کے بغیر اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتی۔

۳ حق اور باطل کا معیار قرآن ہے۔ جو بات قرآن کے مطابق ہو صحیح ہے جو اسکے خلاف ہے غلط ہے۔

۴ حضور نبی اکرم انسانی سیرت و کردار کے بلند ترین مقام پر فائز تھے لیکن بعض سازشوں نے ہماری تاریخ میں ایسی چیزیں شامل کر رکھی ہیں جن سے حضور کی سیرت داغدار ہو کر سامنے آتی ہے۔ ہماری تاریخ کے ایسے تمام حصے (خواہ وہ کسی کتاب میں ہوں) یکسر غلط اور وضعی ہیں۔ حضور کی سیرت کا صحیح معیار خود قرآن کریم ہے۔

۵ قرآن کی رو سے دنیا میں بسنے والے تمام انسان ایک عالمگیر برادری کے افراد ہیں۔ اس برادری کے قیام کی عملی شکل یہ ہے کہ تمام دنیا ایک نظام کے مطابق زندگی بسر کرے۔

۶ اس عالمگیر نظامِ زندگی کی تشکیل کی صورت یہ ہے کہ ہر زمانے کے انسان اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں باہمی مشاورت سے جزئی قوانین خود مرتب کریں (انہیں قانون شریعت کہا جاتا ہے) یہ جزئی قوانین حالات کی تبدیلی سے بدلتے رہیں گے لیکن قرآن کے اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے۔

۷ اس نظام کی رو سے قرآن ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جس میں تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشو و نما ہو جاتی ہے اور کوئی فرد معاشرہ اپنی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہیں رہتا (اسے ربوبیتِ عامہ یعنی تمام نوعِ انسانی کی پرورش سے تعبیر کیا جاتا ہے)

۸ ربوبیتِ عامہ کے مقصد عظیم کے حصول کے لئے قرآن کی رو سے ضروری ہے کہ رزق کے سرچشمے افراد کی ملکیت کے بجائے معاشرے کی تحویل میں رہیں تاکہ رزق کی تقسیم ہر ایک کی ضرورت کے لحاظ سے ہوتی رہے اور اس طرح کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے۔ اسے "قرآنی نظامِ ربوبیت" کہا جاتا ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ....

- اسلامی پاکستان میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں یہ قرآنی نظامِ ربوبیت قائم ہو جائے تاکہ صفاتِ خداوندی کی روشنی میں ہر انسان کی دبی ہوئی صلاحیتیں کامل نشو و نما پا سکیں اور اس طرح "زمین اپنے پرورش دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے"۔

اگر آپ طلوعِ اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوعِ اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ دفتری بدنظمیاں ★ عدالت سے باہر ★ پارلیمانی ★ انتخابات اندھا راج ★ ہفتہ صحت ★ مشرقی پاکستان ★ مغربی پاکستان
★ تاریخی شواہد ★ اسلام کی سرگزشت ★ مجلس اقبال ★ عورت کا قران ★ اندرون ہند ★ باب المراسلات ★ مشرقی پاکستان کے عناصر
★ ابلیس و آدم ★ حقائق و عبر ★ نقد و نظر ★ بین الاقوامی جائزہ ★ عالم اسلامی ★ سرائیگزنڈر فلیمنگ ★ کوٹری بند

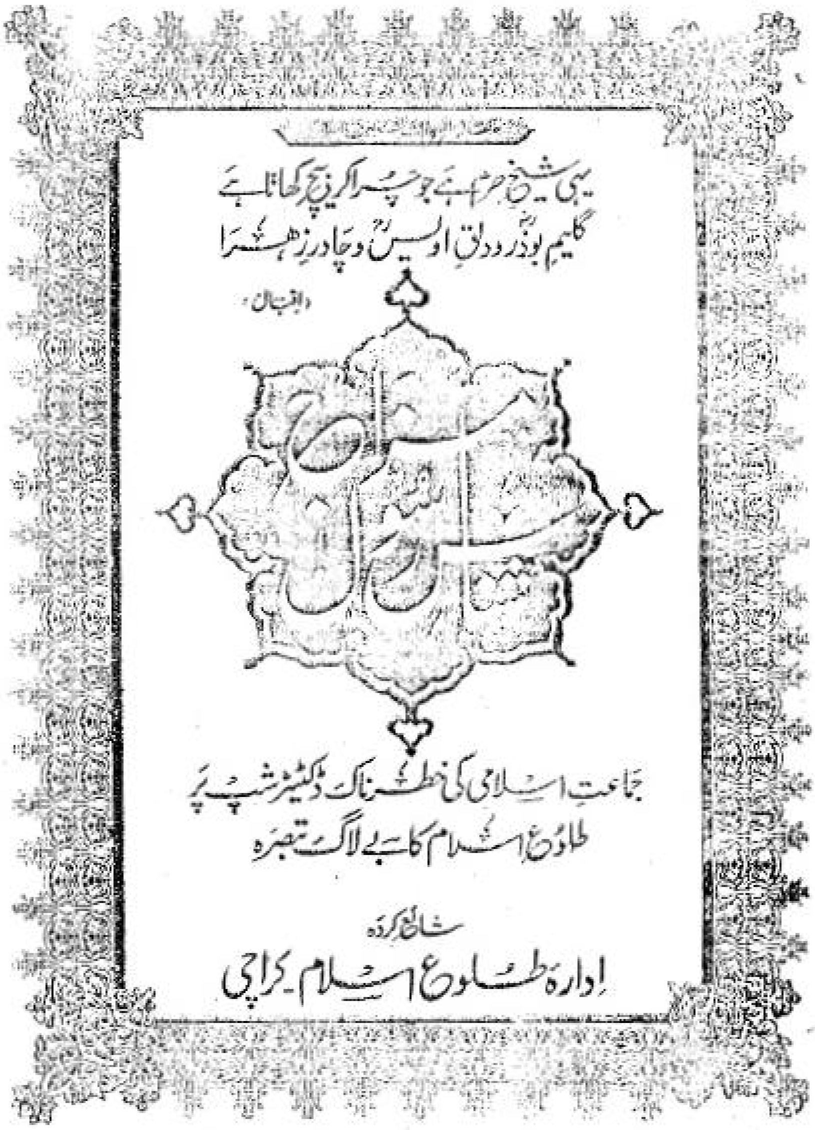

ضخامت ۴۴۸ صفحات۔ مجلد مع گرد پوش۔
قیمت -/۴ روپے علاوہ محصول ڈاک

قیمت -/۸/۱ روپیہ

قیمت -/۲ روپے

ضخامت ۴۰۸ صفحات مجلد مع گرد پوش
قیمت -/۴ روپے علاوہ محصول ڈاک

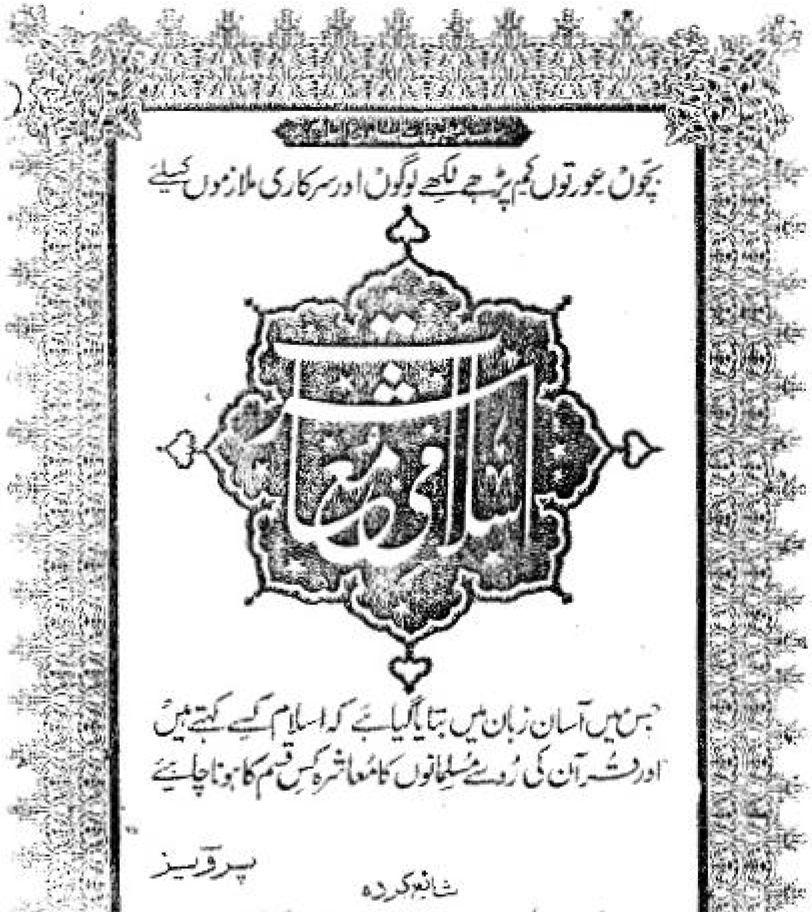

ضخامت ۱۹۲ صفحات مجلد مع گرد پوش
قیمت -/۲ روپے علاوہ محصول ڈاک

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۲۳۔ کراچی

ہفتہ وار

طلوع اسلام

جلد ۸ ۱۹ مارچ ۱۹۵۵ء نمبر ۷

دفتری بدنظمیاں

"حکومت کا وجود کیوں ضروری ہے؟ اس کے فرائض و واجبات کیا ہیں اور ایک اچھی حکومت کسے کہتے ہیں؟" یہ وہ سوالات ہیں جن کے متعلق افلاطون کے زمانہ سے لے کر آج تک اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ اگر اسے یکجا کیا جائے تو شاید قطب مینار جتنا ڈھیر لگ جائے۔ لیکن اس تمام ڈھیر کو اگر سمیٹا جائے تو اس میں سے قدرِ مشترک یہ نکلے گی کہ حکومت کا وجود اس لئے ضروری ہے کہ افراد مملکت آرام اور اطمینان کی زندگی بسر کریں۔ آرام جسمانی ضروریات کے لحاظ سے اور اطمینان قلبی مسرتوں اور ذہنی خوشگواریوں کی رُو سے۔ بنا بریں ایک اچھی حکومت وہ ہوگی جس میں افراد مملکت کی ضروریاتِ زندگی جگر پاش مشقتوں کے بغیر پوری ہوتی رہیں۔ انہیں اپنے معاملات کے سلجھانے اور سنوارنے میں کوئی پریشانی نہ اٹھانی پڑے اور ان کے دل و دماغ کی مضمر صلاحیتیں بآسانی نشو و نما پاتی چلی جائیں۔ یہ ایک ایسی بنیادی حقیقت ہے جس سے کسی کو بھی مجالِ انکار نہیں ہو سکتا۔

اب ایک اور چیز کو لیجئے۔ "گورنمنٹ"۔ "حکومت"۔ یا "سرکار" کے الفاظ ہماری زبان میں عام طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ ان الفاظ کا آئینی اور قانونی مفہوم کچھ ہی ہو لیکن عوام کے نقطۂ نگاہ سے گورنمنٹ یا سرکار سے مراد ہوتے ہیں وہ سرکاری دفاتر اور ان کے اہل کار جن سے انہیں واسطہ پڑتا ہے۔ لہٰذا یہ دیکھنے کے لئے کہ کوئی گورنمنٹ یا حکومت کیسی ہے سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ اس کے دفاتر میں کس طرح کام ہو رہا ہے۔ اگر کسی حکومت کے دفاتر اچھی طرح کام نہیں کر رہے تو خواہ اس کے ارباب حل و عقد ہزار بڑی بڑی اسکیمیں بنائیں اور لاکھ پیچیدہ گتھیاں سلجھائیں، مملکت کا ایک قدم بھی مرفہ الحالی اور خوش اقبالی کی طرف نہیں اٹھ سکے گا۔ اور عوام کی حالت دن بدن بدتر ہوتی چلی جائے گی۔ اس حکومت کی مثال اس انجنیر کی سی ہوگی جو اپنے کمرے میں بیٹھا عدیم النظیر نقشے بناتا اور فقید المثال پروگرام مرتب کرتا رہے لیکن اس کے ورکشاپ میں مشینوں کو زنگ کھا رہا ہو اور جیکٹ سے ان کے تمام کل پرزے جامد ہو چکے ہوں۔ اس انجنیر کا کوئی نقشہ نتیجہ خیز اور کوئی پروگرام ثمر بار نہیں ہوگا۔

اگر ہم مندرجہ بالا اصولوں کی روشنی میں اپنی حکومت (پاکستان) کے دفاتر کو دیکھتے ہیں تو بلا مبالغہ کہنا پڑتا ہے کہ ان کی حالت سکھوں کی ان ریاستوں سے بھی بدتر ہو چکی ہے جنہیں تقسیم ہند سے پہلے بدنظمی کے لئے بطور ضرب المثل پیش کیا جایا کرتا تھا۔ ہم یہ بات محض سنی سنائی نہیں کہہ رہے بلکہ برسوں کے ذاتی تجربہ کی بنا پر کہہ رہے ہیں جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، دفاتر میں اہل کار اس لئے رکھے جاتے ہیں کہ وہ عوام کی ضروریات کے پورا کرنے اور ان کے معاملات کے سلجھانے میں ان کی معاونت کریں۔ لیکن ہمارے دفاتر میں ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں یہاں حاکم کی حیثیت سے ہوں اور میرا کام یہ ہے کہ پبلک کا جو آدمی میرے پاس آئے اس پر حکومت کروں۔ چنانچہ آپ کسی دفتر میں جائیے، سب سے پہلے آپ کو اسی "تھانیدارانہ" ذہنیت سے واسطہ پڑے گا۔ جس اہل کار سے آپ کو کام پڑتا ہے اس کی تنخواہ آپ کے ٹیکس سے ادا ہوتی ہے لیکن وہ ہر ممکن کوشش کرتا ہے کہ آپ پر یہ ثابت کر دے کہ آپ اس کے مقابلہ میں بہت ذلیل ہیں اور اس کا مقام آپ سے بہت بلند ہے اور مضحکہ یہ ہے کہ یہ وہی صاحب ہیں جن کے لئے خود سرکار کے ہاں سے "پبلک سرونٹ" خادم عوام۔ کا لقب تجویز ہوا ہے اور ان کے منتخب کرنے والے ادارہ کا نام پبلک سروس کمیشن ہے۔ یعنی "خدمت عوام کے لئے افراد منتخب کرنے والا ادارہ")۔ دفاتر کی بیشتر اکثریت اسی تحکمانہ ذہنیت رکھنے والے "سرکاری فوجداروں" پر مشتمل ہے

اس گروہ میں کچھ تو وہ ہیں جن کا مقصد محض اپنے جذبۂ حکومت کی تسکین ہوتا ہے۔ وہ ڈانٹ ڈپٹ یا کم از کم چوست آمیز ترش روئی کے بعد کام کر دیتے ہیں۔ لیکن بیشتر طبقہ ایسا ہے جو اس شخص کو (جس کا اس سے کام ہے) ذلیل بھی کرتا ہے اور اس کے کام میں روڑے بھی اٹکاتا ہے اور مقصد اس سے یہ ہوتا ہے کہ جب تک اس مشینری میں "موبل آئل" نہیں ڈالا جائے گا یہ حرکت میں نہیں آئے گی۔ چنانچہ اب جس طرح مکانوں کے سلسلے میں "پگڑی" ایک معروف قاعدہ کی شکل اختیار کر چکی ہے اسی طرح دفاتر میں رشوت کا موبل آئل بھی کاروباری موٹر کا لاینفک جزو قرار پا چکا ہے اور لوگ اس کے ایسے عادی بنا دیئے گئے ہیں کہ اب نہ رشوت دینے والا شرماتا ہے نہ لینے والا جھجکتا۔ بلکہ حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اگر معلوم ہو جائے کہ فلاں منصب پر کوئی ایسا افسر آ گیا ہے جو رشوت نہیں لیتا تو اول تو اسے کوئی باور ہی نہیں کرتا اور اگر باور کرنا پڑ جائے تو ان کے دل میں طرح طرح کے شبہات پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور انہیں خدشہ لاحق ہو جاتا ہے کہ اب کام اتنی آسانی سے نہیں ہو سکا کرے گا۔ اس رشوت ستانی کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ کسی کے دل میں قاعدے اور قانون کا کوئی احترام رہ گیا ہے اور نہ عدل و انصاف کی کوئی توقع۔ چنانچہ اب رفتہ رفتہ معاشرہ کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ جس کے پاس پیسہ ہے وہ قانون کی اس لئے پرواہ نہیں کرتا کہ وہ جانتا ہے کہ پیسہ کے زور پر قانون کو راستے سے ہٹایا جا سکتا ہے اور جس کے پاس پیسہ نہیں وہ اس لئے قانونی چارہ جوئی کی طرف رُخ نہیں کرتا کہ اسے اپنے حق میں انصاف کی توقع ہی نہیں ہوتی۔ وہ تنگ آ کر قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے خواہ اس کے بدلے اس کا کتنا ہی سخت معاوضہ کیوں نہ ادا کرنا پڑے۔

ان اہلکاروں میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو رشوت تک تو نہیں پہنچا (یا یوں کہئے کہ رشوت ان تک نہیں پہنچی) لیکن جو کام ہی نہیں کرنا چاہتے سارا سارا دن میز پر ٹانگیں رکھے سگریٹ پھونکنے اور گپیں اڑانے میں وقت گزار دیتا ہے جس بدقسمت کا ان سے واسطہ پڑ جائے وہ سمجھ لیتا ہے کہ یہاں نہ دوا سے کام چلے گا نہ دُعا سے، اس لئے کہ یہ وہ انسانوی "سبز پوش" جو رجی میں آ جائے تو کبھی کبھار) بہ لب بام تو نظر آ سکتا ہے ورنہ

نہ بہ زوری۔ نہ بہ زاری۔ نہ بہ زر می آید

اُن سے کام لینے کا کوئی طریقہ ہی نہیں۔ یہ وہ موٹر ہے جس میں پٹرول ہی نہیں ہوتا۔ چنانچہ دفاتر میں ایسے ایسے "گل محمد" موجود ہیں جن کے پاس برسوں کے فائل پڑے ہیں اور انبار در انبار پڑے ہیں لیکن ان میں سے کوئی آگے نہیں سرکتا۔ یہ ان فائلوں پر سانپ کی طرح بیٹھے ہیں اور باہر دُنیا ان کی جان کو رو رہی ہے۔ نہ ان کا بیٹھنا کسی ذمہ دار افسر بالا کو نظر آتا ہے نہ باہر والوں کے رونے کی آواز کسی کے کان تک پہنچتی ہے

ایک اور طبقہ گو بہر سست رو تو نہیں لیکن اسے دوسروں کے وقت اور سہولت کا قطعاً کوئی احساس نہیں ہوتا۔ آپ صبح گئے ہیں اور انہوں نے آپ کو دوپہر تک باہر بٹھائے رکھا۔ دوپہر کے بعد خدا خدا کر کے آپ کی باریابی ہوئی تو کاغذ دیکھ کر ایک شانِ استغناء سے فرما دیا کہ اس پر مُہر نہیں لگی۔ آپ مُہر لگا کر لائیے تو ارشاد ہوا کہ اب کل آئیے گا۔ کچھ تو ان حضرات کے مزاج ہی ایسے ہیں اور اس میں کچھ اضافہ بعض دفتر کے غلط قاعدوں نے کر رکھا ہے۔ مثلاً ایک صاحب نے ہمیں بتایا کہ انہیں ایک دفتر سے ایک نقل لینی تھی۔ صبح سے دوپہر تک انتظار کے بعد ارشاد ہوا کہ اس کے لئے دو روپے ادا کیجئے۔ (یہ پہلی دفعہ تھی کہ اس کے لئے دو روپے ادا کرنے کا قاعدہ رائج ہوا تھا)۔

انہوں نے روپے نکال کر پیش کئے تو فرمایا کہ یہاں نہیں اُدھر جاؤ۔ ادھر اُدھر سے پوچھتے پاچھتے "اُدھر" گئے تو معلوم ہوا کہ دو روپے بینک میں جمع کرنے ہیں۔ دوسرے روز بینک گئے تو وہاں سے حکم ملا کہ خزانے سے ایک چالان کا فارم لو اور اسے پُر کرکے روپوں کے ساتھ پیش کرو۔ خزانے سے فارم لیا اور پھر بینک پہنچے تو اتنے میں بینک کا کاروباری وقت ختم ہو چکا تھا۔ دوسرے دن بینک میں دو روپے جمع ہوئے تو رسید لیکر پھر اس دفتر میں پہنچے۔ وہاں سے اطلاع ملی کہ جب تک انہیں بینک سے اطلاع نہیں آئے گی کہ روپیہ فی الواقعہ جمع ہو گیا ہے اس وقت تک نقل نہیں مل سکے گی۔ اگلے دن انہیں خدا خدا کرکے بینک سے اطلاع ملی تو انہیں نقل ملی (زحمت کو تو چھوڑیئے) ان دو روپوں کی ادائیگی میں جس قدر ان کا وقت صرف ہوا اس کی قیمت دو سو روپے سے بھی زیادہ تھی۔ لیکن اس کا کسی کو احساس نہیں۔ دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، ان چیزوں میں دفاتر کے غلط قاعدوں کو بھی دخل ہے اور خود اہلکاروں کی اُفتادِ مزاج کو بھی۔

بہرحال، افسرانہ ذہنیت والے سخت کلام سرکاری نوجوان ہوں یا "موبل آئیل" طلب کرنے والے نرم گو۔ "آہستہ خرام بلکہ مخرام" والے سست رو ہوں یا "اُدھر جاؤ" کی شانِ استغنا والے تیز گام۔ عوام بیچارے ان سب کے ہاتھوں سخت تنگ ہیں اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کریں کیا؟ اس میں شبہ نہیں کہ انہی دفاتر میں ایسے لوگ بھی ہیں جو فی الواقعہ اپنے آپ کو پبلک کے خدام اور ان کے ساتھ مددگار سمجھتے ہیں اور اس جذبہ کے ماتحت اپنے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ لیکن ان مستثنیات سے دفاتر کی حالت نہیں سدھر سکتی۔ ان کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس صورتِ حالات کی اہمیت کا کسی کو اندازہ نہیں کیونکہ اس کی اصلاح کی طرف کسی کی توجہ نہیں۔ ہمارے اربابِ بست و کشاد بڑے بڑے مسائل سلجھانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں لیکن نہیں سمجھتے کہ ان مسائل کے سلجھانے میں تگ و تاز کرنے کا کچھ فائدہ نہیں۔ اگر افرادِ مملکت کے معاملات پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتے جائیں اور انہیں نہ ضروریاتِ زندگی کی طرف سے آرام نصیب ہو نہ قلبی و ذہنی احتیاجات کی طرف سے اطمینان۔ یاد رکھئے! اچھی حکومت وہی ہے جس کے دفاتر اچھے ہوں اور دفاتر وہی اچھے ہیں جو عوام کی ضروریات پوری کرنے اور ان کے معاملات سلجھانے میں ہر قسم کی مدد دینا اپنا سرکاری فریضہ سمجھیں اور سمجھیں ہی نہیں بلکہ اس فریضہ کو ادا بھی کریں۔ اگر ہمارے دفاتر میں یہ تبدیلی نہ ہوئی تو حکومت بھی محکم بنیادوں پر قائم نہیں ہو سکے گی۔ اس لئے کہ

جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

قرآن نے فنا اور بقا کا محکم اصول یہ بتایا ہے کہ مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ (۱۳/۱۷) بقا اسی کو نصیب ہوگی جو نوعِ انسانی کے لئے زیادہ سے زیادہ منفعت بخش ہوگا۔ یہ فطرت کا اٹل قانون ہے جو کسی کی خاطر بدلا نہیں سکتا۔

واضح رہے کہ جن بدعنوانیوں اور بدنظمیوں کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے ان کا شکار صرف پبلک کے افراد ہی نہیں ہوتے۔ خود دفاتر میں بھی یہ حالت ہے کہ جن لوگوں کا کوئی اثر رسوخ نہیں ان کے ساتھ بھی اس قسم کی ناانصافیاں اور زیادتیاں ہوتی ہیں جن کی مثال نہیں ملتی اور ان کا کہیں مداوا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ ان بیچاروں کی داد فریاد کوئی نہیں سُنتا اور چونکہ ملازمت کے علاوہ ان کا کوئی ذریعۂ معاش نہیں اس لئے وہ یہ سب کچھ برداشت کرتے ہیں اور بغیر لب ہلائے اندر ہی اندر کڑھتے رہتے ہیں۔ لیکن اس قسم کے زخم خوردہ افراد جو جانتے ہیں کہ ان کے ساتھ یوں بے انصافی ہوئی ہے، وہ دفتر میں جس دلچسپی اور محنت سے کام کریں گے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ہم اس باب میں کیا کرنا چاہتے ہیں، اس کے متعلق دوسرے وقت عرض کیا جائے گا۔ سردست (آئندہ اشاعت میں) ہم اس موضوع کے ایک اور گوشے کی طرف توجہ دلائیں گے جو اس سلسلہ کی اہم کڑی ہے۔

عدالت سے باہر

۳ مارچ کو فیڈرل کورٹ کے چیف جسٹس، محمد منیر صاحب نے جب فریقین کو یہ مشورہ دیا کہ وہ پیشِ نظر سیاسی مسئلے کو عدالت سے باہر نپٹانے کی کوشش کریں تو ملک بھر میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی تھی کیونکہ ملک کے اس مشکل ترین مسئلے کے مناسب حل کا روشن امکان نظر آنے لگا تھا۔ لیکن مولوی تمیز الدین کی پارٹی کے رویہ نے اس اطمینان کو بہت جلد مایوسی میں بدل دیا۔ اب تک اس ضمن میں جو کچھ ہوا ہے اس پر نگاہِ بازگشت ڈالی جائے تو صاف پتہ چل جائے گا کہ ناکامی کا ذمہ دار کون ہے۔

جب جسٹس منیر کے جواب میں مولوی تمیز الدین کے وکیل مسٹر چندریگر نے مفاہمت پر رضامندی کا اظہار کیا تو خیال کیا جا سکتا تھا کہ جس طرح ان کے پاس مولوی صاحب کا مقدمہ لڑنے کے لئے مختار نامہ ہے اسی طرح مجلس دستور ساز کی طرف سے سمجھوتے کی بات چیت کرنے کے لئے بھی ان کے پاس کوئی سندِ اختیار ہوگی۔ چنانچہ حکومت کے وکیل مسٹر فیاض علی نے اپنے موکلوں کو اطلاع دیدی کہ فریقِ ثانی مفاہمت کے لئے تیار ہے۔ اہلِ مرکز نے بین وزراء گفتگو کے لئے لاہور پہنچ گئے انہیں مرکزی کابینہ نے مناسب اختیار دے دیا تھا۔ وہاں جاکر انہیں معلوم ہوا کہ مسٹر چندریگر ذاتی حیثیت سے بات کر رہے ہیں اور وہ کوئی ایسی دستاویز پیش کرنے سے قاصر ہیں جس سے پتہ چلے کہ مجلس دستور ساز نے انہیں گفتگوئے مفاہمت کا اختیار دے دیا ہے اور یہ کہ ان کا فیصلہ منظور کر لیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ جب تک یہ اولیں شرط پوری نہ ہو مذاکرات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مسٹر چندریگر بجائے اس کے کہ یہ کہتے کہ میں ایسا اختیار نامہ ابھی حاصل کئے لیتا ہوں، الٹا مرکزی حکومت پر الزام دھرنے لگے کہ وہ مفاہمت کے لئے تیار نہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ جب تک اپیل سے متعلق پارٹیوں میں اساسی مفاہمت نہ ہو جائے دیگر ارکان کی رضامندی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ واضح الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسٹر چندریگر سے حکومت ایک دستاویزِ مفاہمت طے کرلے پھر وہ دستاویز چندریگر صاحب مجلس دستور ساز کے ارکان کو دکھا کر منظور کرائیں گے۔ لیکن یہ ارکان کی مرضی پر منحصر ہوگا کہ وہ اسے منظور کریں یا نہ کریں۔ اگر اس سے مسٹر چندریگر یہ جتانا چاہتے ہیں کہ بعد میں وہ متعلقہ ارکان سے منظوری حاصل کریں گے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلے ہی وہ ایسا کیوں نہیں کر لیتے تاکہ مفاہمت کے لئے زیادہ اعتماد کی فضا پیدا ہو جائے؟ ان کی تائید میں مسٹر گذدر نے بھی ایک بیان میں کہا ہے کہ وہ حکومت کو ہر قسم کی ضمانت دینے کے لئے تیار ہیں۔ یہ ٹھیک ہے لیکن قانونی حیثیت سے گذدر صاحب کی پوزیشن کیا ہے؟ وہ دیگر ارکان اسمبلی کی طرف سے اس وقت تک بات نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ ان سے پہلے سے منظوری نہ لے لیں۔ گذدر صاحب کے بیان پر بھی یہی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر انہیں یقین ہے کہ وہ دو تہائی اکثریت کو اپنے ساتھ ملا لیں گے تو وہ پہلے سے ہی ایسا بندوبست کیوں نہیں کر لیتے؟

ان امور سے تو خیر یہ پتہ چلتا ہے کہ مسٹر چندریگر گفتگوئے مفاہمت کے مجاز نہیں تھے لیکن ناکامی کی وجہ محض یہی نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اور ان کی پارٹی نے مفاہمت کو سیاسی سودا بازی کا ذریعہ بھی بنانا چاہا۔ معاصر "ٹائمز آف کراچی" نے یہ انکشاف کیا ہے کہ ہر چند ۳ مارچ کو مسٹر چندریگر نے عدالت میں کہا تھا کہ مفاہمت کی بنیاد یہ ہوگی کہ مجلس دستور ساز اجلاس بلا کر آئندہ انتخابات کے حلقوں کی تحدید کرے اور پھر اپنے آپ کو ختم کر دے۔ لیکن بعد میں انہوں نے لمبے چوڑے مطالبات پیش کر دیئے مثلاً یہ کہ مجلس دستور ساز نئی دستوریہ کے معرضِ وجود میں آنے تک باقی رہے۔ یہی مجلس بجٹ پاس کرے۔ مرکزی کابینہ میں رد و بدل کرکے مولوی تمیز الدین کے آدمی لئے جائیں، دونوں پارٹیوں پر مشتمل الیکشن کمیشن مقرر کیا جائے، جب ان امور پر اتفاق ہو جائے تو دونوں پارٹیاں دیگر ارکان اسمبلی سے مفاہمت کی حمایت میں دستخط حاصل کرنے کی تحریک شروع کریں۔

یہ شرائط کسی تبصرے کی محتاج نہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ مولوی صاحب کے دماغ میں مفاہمت کا کیا نقشہ تھا۔ ہمیں خوشی ہے کہ ایسی مفاہمت کی کوششیں ختم ہو گئی ہیں۔ اس سے مایوسی کا پیدا ہو جانا بالکل قدرتی ہے لیکن اب بھی امید کی ایک روشن کرن نظر آ رہی ہے۔ اس کرن کا سرچشمہ گورنر جنرل کی ذات ہے۔ ان کی طرف سے وکیل ڈپلاک نے عدالت میں جو بیان دیا ہے وہ اس تصفیہ کا ایک عمدہ حل ہے۔ اس میں تجویز پیش کی گئی ہے کہ موجودہ صوبائی اسمبلیوں کی وساطت سے نئی مجلس دستور ساز مرتب کی جائے جو جمہوری آئین مرتب کرے اور نئے انتخابات کے لئے مناسب انتظامات کرائے۔ یہ بڑی قابلِ عمل تجویز ہے۔ اگر ایسا کر لیا جائے تو جو کام سات سال میں نہیں ہو سکا تھا وہ چند دنوں میں مکمل ہو جائے گا۔ اسمبلی کی تشکیل دنوں میں کی جا سکے گی۔ اور جس دستور کا مسودہ حکومت نے تیار کرایا ہے وہ اس اسمبلی کے سامنے منظوری کے لئے پیش کر دیا جائے گا۔ اور پھر اس دستور کے مطابق نئے انتخابات منعقد کرائے جا سکتے ہیں۔ اسی میں ملک کا مفاد ہے نہ کہ سیاسی سودا بازی میں جس کا مظاہرہ مولوی صاحب فرما رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں ہم جماعتِ اسلامی کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس جماعت کا مسلک یہ ہے کہ اسے ہر حال میں حکومت کی مخالفت کرنی ہے۔ چنانچہ وہ اس معاملہ میں بھی حکومت کو موردِ الزام قرار دیکر مولوی تمیز الدین کا ساتھ دے رہی ہے۔ اور صرف ساتھ ہی نہیں دے رہی بلکہ یہ کہہ کر انہیں آسمان پر بھی چڑھا رہی ہے کہ ان کی اسمبلی نے ایک اسلامی دستور مرتب کر لیا تھا لیکن حکومت چونکہ اسلامی دستور کو ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتی اس لئے

اس نے ان کی اسمبلی کو توڑ ڈالا اور اب مفاہمت میں لیت ولعل کر رہی ہے۔ یہ جماعت اس وقت تک حکومت کو لگا لیاں دیتی رہے گی جب تک حکومت خود اس جماعت کے سپرد نہیں کر دی جاتی۔ آج اگر حکومت مولوی تمیز الدین کی ہوتی تو یہ انہیں گالیاں دیتے۔

پارلیمانی احیاء

۱۰ر فروری کو مشرقی پاکستان کے متحدہ محاذ کی پارلیمانی پارٹی کے اجلاس میں جو ہڑبونگ مچی اس سے متعلق متضاد خبروں کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ صوبے میں پارلیمانی احیاء سے متعلق متضاد خبریں آنا شروع ہو گئی ہیں۔ ایک طرف کہا جا رہا ہے کہ مرکزی کابینہ نے اس کا فیصلہ کر لیا ہے اور مولوی فضل الحق کے نمایندے مسٹر ابو حسین سرکار کو صوبے کا وزیر اعلیٰ بنا دیا جائے گا۔ دوسری طرف یہ کہا جا رہا ہے کہ کابینہ نے ایسا فیصلہ نہیں کیا اور سرکار صاحب بنگال نہیں جا رہے سابقہ تجربے کے پیش نظر کسی ایک خبر کو بھی ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ البتہ وزیر اعظم صاحب کا یہ فیصلہ معنی خیز ضرور ہے کہ وہ ۱۵ر مارچ کو جنرل اسکندر مرزا کی معیت میں ڈھاکہ جا رہے ہیں۔ یہ تازہ سفر بھی مطالعہ حالات کے لئے ہے۔ کیا مشرقی پاکستان کے حالات کا مطالعہ ضرورت سے زیادہ نہیں کیا جا چکا؟

آخر بار بار کی آمد ورفت سے فائدہ کیا ہے؟ یہ ظاہر ہے کہ صوبے کے منتخب نمائندے آپس میں اس بُری طرح دست وگریبان ہیں کہ صوبے کی عنان قیادت ان کے سپرد نہیں کی جا سکتی۔ بس ایک ہی حل ہے کہ صوبے کے نمایندے متفقہ طور پر یا زیادہ سے زیادہ اتفاق کرتے ہوئے کوئی ایسا لیڈر چنیں جو صوبے میں مستحکم وزارت بنا سکے۔ لیکن ایسا ممکن نظر نہیں آتا۔ لیکن ملک کے حالات اس کے متقاضی ہیں کہ بنگال کے منتخب نمایندوں کو بحال کیا جائے تاکہ وہ معاملات میں صلاح ومشورہ دے سکیں اور آنے والے دستور کی تسوید اور انتخابات کی تیاری میں شریک ہو سکیں۔ ان دنوں حالات مرکز کا اضطراب حق بجانب ہے اور یہ کوشش بھی قابلِ فہم کہ مقامی لیڈروں سے مل کر انہیں ملکی مفاد کی خاطر اتحاد وتعاون پر آمادہ کیا جائے۔ ہمیں خوشی ہو گی اگر صوبائی لیڈر اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں اور خانہ جنگیوں سے باز آجائیں۔ لیکن جب تک یہ خانہ جنگی جاری ہے مرکز کو حزم واحتیاط سے کام لینا ہو گا۔ کیونکہ اگر ایک طرف ملکی مفاد کا تقاضا ہے کہ بنگال میں پارلیمانی احیاء ہو تو دوسرے ملکی مفاد کا یہ تقاضا بھی ہے کہ نااہل قیادت کو برسر اقتدار نہ آنے دیا جائے اب تک وزیر اعظم کو صوبے کے حالات کا بخوبی علم ہو گیا ہو گا۔ جہاں تک جنرل اسکندر مرزا کا تعلق ہے انہیں صوبے کا وسیع تجربہ ہے۔ ان دنوں حالات توقع ہے کہ ہمارا مشورہ رائیگاں نہیں جائے گا۔ اسی قسم کے نااہلوں نے جو کچھ مجلس دستور ساز میں کیا تھا وہ سب کے سامنے ہے۔ قرآن نے تفویض امور کے لئے صرف بلاغت ہی کو کافی نہیں سمجھا یہ بھی کہا ہے کہ فان انستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم (۴/۶) اگر ان میں فہم وفراست، اور عقل وشعور دیکھو تب ان کی چیز ان کے سپرد کرو۔

انتخابات انذھرا

چین کے کمیونسٹ ہو جانے کے بعد اشتراکیت کی نظریں خاص طور سے ہندوستان پر مرکوز ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چند سالوں سے ہندوستان میں اشتراکیت کا خاص چرچا ہو رہا ہے۔ اس تحریک نے زیادہ تر جنوبی ہند میں قدم جمائے ہیں۔ چنانچہ جنوب کی سیاست کا نقطۂ ماسکہ اشتراکیت ہی بنتا چلا جا رہا ہے۔ ان اشتراکی عناصر کو پنڈت نہرو کی خارجہ پالیسی نے خصوصی ہوا دی ہے۔ پنڈت جی جیسے جیسے چین کی ہمنوائی کرتے جاتے ہیں ہندوستان میں اشتراکی عناصر کو اور فروغ حاصل ہوتا جاتا ہے کیونکہ وہ اسے اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔ پنڈت نہرو اس صورت حال سے بے خبر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی پالیسی متضاد ہو گئی ہے یعنی وہ بیرون ملک تو اشتراکیت کا ساتھ دیتے ہیں لیکن اندرون ملک اشتراکیت کا مقابلہ کرتے ہیں۔ ایسا ہی مقابلہ انہیں انذھرا میں پیش آیا۔ اس مقابلے کے نتیجہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کانگرس نے اشتراکیت کو پچھاڑ دیا ہے۔ بادی النظر میں یہ استنباط درست معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ سطح بینی ہے حقیقت حال کو جاننے کے لئے مندرجہ ذیل امور کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

اس انتخابی جنگ میں پنڈت نہرو نے بنفس نفیس حصہ لیا اور جیسا کہ ان کی عادت ہے انہوں نے اشتراکی اصطلاحات کو بے دریغ استعمال کیا اور اشتراکی رائے دہندوں کے سامنے سوشلسٹ اسٹیٹ کا بھی سبز باغ دکھایا۔ اس سے پہلے چین کے وزیر اعظم ہندوستان کا دورہ کر کے دنیا بھر کے اشتراکیوں کی نظروں میں پنڈت نہرو کو محترم ومقبول بنا چکے تھے۔ اسی کے لگ بھگ ماسکو سے روسی وزیر خارجہ نے ایک تقریر میں پنڈت نہرو کا گرمجوشی سے ذکر کیا اور ان کی حکمت علمی کو سراہا حالانکہ روسی انسائیکلوپیڈیا میں جہاتما گاندھی کو اچھے لفظوں میں یاد نہیں کیا گیا۔) یہی نہیں بلکہ روسی اخبار 'پروڈا' نے پنڈت نہرو کی حمایت میں اداریہ لکھا اور اسے کانگرس پارٹی نے لاکھوں کی تعداد میں شائع کر کے انذھرا میں تقسیم کیا۔ گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر چند مقامی اشتراکیوں نے کانگرس کا مقابلہ کیا لیکن بین الاقوامی اشتراکی جو ملکی اشتراکیوں کے رہنما ہیں، پنڈت نہرو کی حمایت میں تھے اور وہ ان کی کامیابی کو اشتراکیت کی کامیابی سمجھتے تھے۔ یہ صورت نہ ہوتی تو کانگرس وہ پوزیشن حاصل نہ کر سکتی جو اس نے اب حاصل کی ہے۔ کانگرس ابتداءً یقیناً اپنی کامیابی سے متعلق چنداں پُرامید نہیں تھی اور اسی کے پیش نظر اس نے انتخابات میں حصہ بحیثیت کانگرس پارٹی نہیں لیا بلکہ کرشک لوک پارٹی اور پرجا پارٹی کو ساتھ ملا کر ایک مشترک پارٹی بنائی جسے یونائیٹڈ کانگرس پارٹی کا نام دیا گیا۔ ان دنوں حالات پنڈت نہرو پروپیگنڈے کے طور پر یہ کہہ تو سکتے ہیں کہ انہوں نے اشتراکیوں کو انذھرا میں شکست دے دی۔ لیکن یہ باور کرنا مشکل ہے کہ ان جیسا سمجھدار آدمی اس 'فتح' کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکا ہو گا۔

ہندوستان میں کامیابی کے بعد اشتراکیت کا رُخ پاکستان کی طرف ہونا بھی یقینی ہے (اگرچہ اب بھی یہاں اس کے جراثیم کم نہیں) سوال یہ ہے کہ یہاں کے ارباب حل وعقد اس کی روک تھام کے لئے کیا کر رہے ہیں؟ یاد رکھئے اس سیلابِ بلا کی روک تھام قرآن کے نظام ربوبیت کے سوا اور کسی سے نہیں ہو سکے گی۔

ہفتۂ صحت

زندہ قوموں کی زندگی جہد مسلسل ہوتی ہے البتہ وہ کبھی کبھی رُک کر احتساب خویش کرتی ہیں تاکہ اپنی جد وجہد کا مناسب جائزہ لے لیں۔ اس قسم کے جائزے "یوم" یا "ہفتے" کی تقریبوں کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ ایسی تقریبیں ان قوموں کے لئے رفتارِ کار تیز تر کرنے کا باعث ہو جاتی ہیں۔ لیکن پسماندہ قومیں ان کی نقالی کو کافی سمجھتے ہوئے محض تقریب منا لینے کو غنیمت سمجھ لیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں بھی طرح طرح کے "یوم" اور "ہفتے" منائے جانے لگے ہیں ان تقریبوں پر جو مذاق ہوتا ہے اس کی بدترین مثال کراچی کارپوریشن نے پیش کی ہے۔ اس کارپوریشن کی نااہلیت کا یہ حال ہے کہ کراچی جو ایشیا کا خوبصورت ترین شہر تھا غلیظ ترین شہر بن چکا ہے اور اس کے باشندے شہر میں کہ انہیں جنگ زندگی سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ عوام کی آنکھ میں خاک جھونکنے کے لئے انہوں نے بھی بالآخر ہفتۂ صحت کا ڈھونگ رچایا اس کے لئے تاریخیں مقرر ہو گئیں اور ایک دھوم مچ گئی کہ یہ کیا جائے گا، وہ کیا جائے گا، وغیرہ وغیرہ۔ یہ تیاریاں ہو رہی تھیں کہ اچانک اعلان کر دیا گیا کہ ہفتۂ صحت ۱۰ر مارچ تک ملتوی کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ نئے اوقات نامے کے مطابق تیاریاں ہونے لگیں۔ ۹ر مارچ کو طے شدہ انتظامات میں کچھ تبدیلیاں کی گئیں اور اخباری نمایندوں پر ان کا رعب ڈالا گیا۔ ۱۰ر مارچ کی صبح کو شہر کی دیواروں پر اشتہارات چسپاں کئے گئے کہ ۱۰ر مارچ کا دن یادگار دن ہو گا۔ لیکن ۱۰ر مارچ کی شام کو ہی یہ اعلان ہو گیا کہ ہفتۂ صحت ۱۰ر اپریل تک ملتوی کر دیا گیا ہے۔ اس التوائے ثانی کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ارباب بلدیہ بجٹ کی تیاری میں مصروف ہیں۔ گویا بجٹ کوئی بلائے ناگہانی تھی جس کا انہیں پہلے علم نہیں تھا اور اس دن اچانک معلوم ہوا کہ بجٹ ۹ر مارچ میں ضرور منظور کر دینا ہو گا۔ مجوزہ ہفتۂ صحت اپریل کی مجوزہ تاریخوں پر منایا جا سکے گا یا نہیں، یہ علیحدہ بحث ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ جو حضرات اس تقریب سے پہلے ہی اس قسم کے مذاق کے روادار ہو سکتے ہیں اُن سے کیا امید رکھی جا سکتی ہے اور جو کچھ "ہفتۂ صحت" منانے سے ہو گا وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اگر یہ حضرات ایسے مردانِ کار ہوتے تو آج کراچی شہر اس قدر گندہ ہوتا ہی کیوں؟

مشرقی پاکستان

مشرقی پاکستان کی سیاست اس وقت ایسے موڑ پر پہونچ گئی ہے۔ جہاں ہر وقت اس کا امکان ہے کہ وہاں پارلیمانی حکومت کی بحالی کا اعلان کر دیا جائے۔ اخبارات میں متضاد قسم کی خبریں آرہی ہیں۔ وزیر اعظم محمد علی اس سے پہلے کئی مرتبہ صرف یہی دیکھنے کے لئے مشرقی پاکستان تشریف لیجا چکے ہیں کہ مشرقی پاکستان میں پارلیمانی حکومت کی بحالی مناسب ہوگی یا نہیں۔ اب پھر وہ اسی مشن پر مشرقی پاکستان روانہ ہوئے ہیں۔ غالباً اس مرتبہ وہ کسی نہ کسی کو مشرقی پاکستان کی حکومت کی باگ ڈور ضرور سونپ دیں گے۔

ادھر حکومت پارلیمانی حکومت کی بحالی کے لئے کوشاں ہے اور ادھر عوامی لیگ اور فضل الحق صاحب کی کرشک سرمک پارٹی میں لیڈرشپ کے سلسلہ میں جو اختلافات رونما ہو گئے تھے۔ وہ اب اپنی انتہا کو پہونچ گئے ہیں۔ لیکن اس مرتبہ شاید ان اختلافات کو کوئی اہمیت نہیں دیجائیگی اور وزیر اعظم محمد علی صوبہ میں پارلیمانی حکومت کی بحالی کا اعلان کر ہی دیں گے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ابھی پچھلے دنوں مرکزی کابینہ کے اجلاس میں وزیر اعظم پاکستان کو مشرقی پاکستان میں پارلیمانی حکومت کی بحالی کا پورا اختیار دیدیا گیا ہے۔ لیکن سوال وہاں صرف پارلیمانی حکومت کی بحالی کا ہی نہیں اصل سوال ان سازشی عناصر کو ختم کرنے کا ہے۔ جو وہاں کی فضا کو مبدل بہ سکون ہونے ہی نہیں دیتے۔ متحدہ محاذ کے ایک سرگرم لیڈر اور مشرقی پاکستان عوامی لیگ کے صدر مولانا عبدالحمید خاں بھاشانی ان دنوں آسام میں قیام پذیر ہیں۔ تازہ ترین اطلاعات سے معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے عوامی لیگ کے جنرل سکریٹری شیخ مجیب الرحمٰن صاحب اور عوامی مسلم لیگ کے نائب صدر عطا الرحمٰن خاں صاحب کو آسام بلایا ہے۔ تاکہ وہ متحدہ محاذ کے اندرونی اختلافات کو دور کرنے کے لئے اپنی کوششیں بروئے کار لائیں۔ مولانا بھاشانی متحدہ محاذ کی وزارت بننے کے بعد امن کانفرنس میں شرکت کے لئے جرمنی گئے تھے اور وہاں جاکر انھوں نے کچھ ایسے بیانات دیئے کہ مرکزی وزیر داخلہ اسکندر مرزا صاحب نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اگر بھاشانی صاحب واپس آئے تو گرفتار کرلئے جائیں گے گرفتاری کے ڈر سے اب تک مولانا نے مشرقی پاکستان میں قدم نہیں رکھا ہے۔ لیکن اب جب کہ پھر سے متحدہ محاذ کی وزارت بننے والی ہے۔ خیال ہے کہ وہ مشرقی پاکستان واپس آجائیں گے۔ اگر وہ واپس آگئے اور انھوں نے کوشش کی تو شاید متحدہ محاذ میں پیدا ہونیوالے اختلافات میں کچھ کمی ہو جائے اگرچہ حالات اب ایسے مقام پہ پہونچ گئے ہیں کہ ان لوگوں کا دوبارہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونا قریب قریب ناممکن ہے۔ ویسے بھی ان کا اتحاد کون سا کسی مستحکم اصولی بنیاد پر ہوا تھا۔ جو ان کے انتشار میں شبہ ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی دوستیوں کا انجام یہی کچھ ہوا کرتا ہے۔

آپ طلوع اسلام کی مدد کیسے کر سکتے ہیں

(۱) اپنے احباب کو طلوع اسلام کا خریدار بنایئے۔
(۲) اپنے شہر میں طلوع اسلام کی ایجنسی قائم کیجئے۔
(۳) کسی مقامی ایجنٹ کو تیار کیجئے کہ وہ طلوع اسلام کا لٹریچر منگائے۔
(۴) ممکن ہو تو اپنے علاقے سے طلوع اسلام کے لئے اشتہار مہیا کیجئے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳
کراچی

مغربی پاکستان

شاہ اردن کا دورۂ پاکستان ختم ہو گیا ہے۔ جانے سے پہلے ایک دعوت میں آپ نے اس پر اظہار امتنان کیا کہ پاکستان مسلم حکمرانوں اور رئیسان مملکت کو اپنے ہاں دعوت دے رہا ہے۔ اور تبادلۂ خیال کر رہا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ اس سے مسلمان ممالک ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہو جائیں گے۔ اور ان میں اتحاد بڑھے گا۔ بلاشبہ اس قسم کی آمد و رفت ایک آنیوالے انقلاب کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔ دنیائے اسلام کو ایک رشتۂ اخوت میں منسلک کر کے امت مسلمہ کو "شہداء علی الناس" کے مقام پر پہنچانے بشرطیکہ ان آنے والوں اور بلانے والوں کے سامنے وہ منزل ہو جو مسلمان کے لئے قرآن نے متعین کی ہے۔ شاہ حسین نے بیساختگی سے کہا کہ ان کے دل میں پاکستان کی عزت کئی گنا زیادہ ہو گئی ہے اور وہ پاکستان کی مساعی کو بڑی قدر سے دیکھتے ہیں۔ شاہ موصوف نے گورنر جنرل غلام محمد صاحب کو اردن آنے کی دعوت دی ہے۔ اور کہا ہے کہ اس سے دونوں ممالک میں مودت، اخوت اور تعاون کے روابط اور بڑھیں گے۔

گورنر جنرل نے یہ دعوت منظور کرلی ہے اور مشرق وسطیٰ کے ممالک کا دورہ کرنے کی خواہش کا بھی اظہار کیا ہے۔ توقع ہے کہ آپ شام اور لبنان بھی جائیں گے۔ ان دو ممالک نے ممالک عربیہ میں خصوصی اہمیت حاصل کرلی ہے شام نے مصر سے معاہدہ کر کے ایک ایسے اتحاد کی طرح ڈالی ہے۔ جس نے عربوں کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ لبنان نے اپنی ساری مساعی عربی وحدت کو برقرار رکھنے پر مرکوز کر دی ہیں۔ چنانچہ وہ مصالحت کرانے میں مصروف ہے۔ اس نے مصر کا ساتھ نہیں دیا۔ اور عراق کے فیصلے کو ہمدردی سے دیکھتا ہے۔ ان دو ممالک کا دورہ عربوں کے مزاج کو سمجھنے میں بڑی مدد دے گا۔ دمشق سے شامی وزیر خارجہ خالد العظم نے گورنر جنرل کو خوش آمدید کہا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دورے کا معاملہ خواہش سے آگے بڑھ کر عملی صورت اختیار کر رہا ہے۔

جسٹس منیر صاحب کے مشورے سے جو مساعی مفاہمت شروع ہوئی تھیں۔ وہ ختم ہو گئی ہیں۔ کم از کم فی الحال صورت حال یہی ہے کراچی سے جو تین وزیر اس سلسلہ میں لاہور گئے تھے۔ انھیں فریق ثانی سے ملے بغیر واپس آجانا پڑا کیونکہ وہ کوئی ضمانت نہ دے سکا کہ جس مجلس دستور ساز کی طرف سے وہ مفاہمت کر رہے ہیں وہ ان کے فیصلے کو مان لے گی۔ گفتگوئے مفاہمت شروع ہونے سے یہ توقع پیدا ہو چلی تھی کہ وحدت مغرب اور آئین کے نفاذ کے کام میں تاخیر نہیں ہوگی۔ لیکن اب یہ تاخیر ضرور ہوگی۔ مسٹر سہروردی نے لاہور سے آکر یہ بیان دیا کہ جب تک عدالت کا فیصلہ نہیں ہو جاتا۔ کوئی اہم قدم نہیں اٹھایا جائے گا جیسا کہ بار بار وضاحت کی جا چکی ہے۔ اس تاخیر کی بظاہر کوئی وجہ نہیں۔ وحدت مغرب پر ملک میں عمومی اتفاق پایا جاتا ہے اور اس کا عدالت کے فیصلے سے کوئی تعلق نہیں! اسی طرح آئین بھی نافذ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اگر وحدت مغرب کی اساس کو تسلیم کر لیا جائے تو آئین کا ایک ہی قالب سامنے آتا ہے۔ یعنی کانفیڈریسی (ملاحظہ ہو طلوع اسلام ۵ر مارچ ۱۹۵۵ء) جب یہ دونوں اصول مسلمات میں سے ہیں تو تاخیر کے کوئی معنی نہیں۔

اس تاخیر کا نتیجہ ہے کہ صوبائی اسمبلیوں کے اجلاس شروع ہو گئے ہیں یا ہونیوالے ہیں پہلے چونکہ وسط یا اواخر تک مغربی صوبے ختم کر دینے کا خیال تھا۔ اس لئے صوبائی اسمبلیوں کے اجلاس بجٹ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اب پنجاب اسمبلی کا اجلاس شروع ہو چکا ہے (سندھ اور سرحد کے جلد شروع ہونیوالے ہیں) پنجاب نے اپنا بجٹ پیش کر دیا ہے۔ بجٹ فاضل ہے۔ لیکن یہ اگر اسی قسم کا فاضل ہے جیسا مرکز کا ہوا کرتا ہے۔ تو پھر اس میں کوئی بات وجہ مسرت نہیں ملک کے باشندوں کو فٹ پاتھ پر سلا کر بجٹ فاضل پیش کر دینا کوئی قابل فخر کارنامہ نہیں لیکن پنجاب کے بجٹ میں تعلیم دیہی علاقوں کے متعلق جو رقوم مخصوص کی گئی ہیں۔ ان سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ رفاہ عامہ کے کاموں کو یکسر نظر انداز نہیں کیا گیا۔

سندھ چیف کورٹ میں مسٹر کھوڑو کے خلاف جو مقدمہ چل رہا تھا اس کا فیصلہ ہو گیا ہے۔ عدالت نے مسٹر کھوڑو کے وزیر اعلیٰ بننے کو ناجائز قرار دیدیا ہے اور کہا ہے کہ پروڈا کی جو باقیماندہ سزا گورنر جنرل نے معاف کر دی تھی پوری ہونی چاہیئے۔ اب یہ مقدمہ فیڈرل کورٹ میں پیش ہوگا۔ اس لئے آئندہ جو کچھ ہوگا وہ اس کے فیصلے کے بعد ہوگا سندھ چیف کورٹ کے فیصلہ کا سندھ کی سیاست پر کیا اثر پڑیگا؟ ایک حد تک تو کہا جا سکتا ہے کہ اس سے عدم توازن کی شکل ضرور پیدا ہوگی۔ لیکن اول تو یہ معاملہ فیڈرل کورٹ میں جا رہا ہے۔ دوسرے مسٹر کھوڑو کی پوزیشن سابقہ وزرائے اعلیٰ سے مختلف ہے۔ صوبہ میں ان کی پوزیشن مضبوط ہے اور انھیں سیاست کا کافی تجربہ ہے اس لئے ایک حد تک کہا جا سکتا ہے کہ صوبائی سیاست میں فوری طور پر کسی تبدیلی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

تاریخی شواہد

زمین سے پانی آسمان سے پانی۔ پوری کی پوری وادی لبریز۔ پھر اس کے بعد

وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (۱۱/۴۴)

اور (پھر اللہ کا) حکم ہوا کہ اے زمین اپنا پانی پی لے! اور اے آسمان تھم جا! اور پانی کا چڑھاؤ اتر گیا اور حادثہ انجام پاگیا، اور کشتی 'جودی' پر ٹھہر گئی۔ اور کہا گیا کہ ہلاکت اس گروہ کے لئے ہوگئی جس نے سرکشی اختیار کر رکھی تھی۔

اس طوفانِ بلا کے سامنے سرکش و مغرور قوم اور اس کے وہ تمام ساز و سامان جن کے بل بوتے پر وہ ظلم و استبداد کی زندگی بسر کر رہے تھے خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔ اور اس تباہی سے وہی محفوظ رہے جو کل تک بے یار و مددگار اور بے ساز و سامان سمجھے جاتے تھے اور جن کا مضحکہ اڑایا جاتا تھا۔ طوفان تھما کشتی جودی پر جا رکی اور ارشاد ہوا۔

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (۱۱/۴۸)

حکم ہوا۔ اے نوح! اب کشتی سے اتر، ہماری جانب سے تجھ پر سلامتی اور برکتیں ہوں، نیز اُن جماعتوں پر جو تیرے ساتھ ہیں اور دوسری کتنی ہی جماعتیں ہیں (بعد کو آنے والی) جنہیں ہم (زندگی کی خوشگواریوں سے) بہرہ مند کریں گے۔ لیکن وہ صحیح راہ اختیار نہ کریں گے۔ اس لئے اُنہیں (پاداشِ عمل میں) ہماری طرف سے عذاب دردناک پہنچے گا۔

یوں اللہ تعالےٰ نے حضرت نوحؑ اور اُن کے "اہل" کو عذاب الیم سے محفوظ رکھا اور مخالفین کو نیست و نابود کر دیا۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ .. .. (۲۱/۷۶-۷۷)

اور (اسی طرح) نوح کا معاملہ (بھی یاد کرو) جو ان (نبیوں) سے پیشتر کا ہے جب اس نے ہمیں پکارا تھا تو (دیکھو) ہم نے اُس کی پکار سن لی۔ اور اُسے اور اس کے گھرانے کو بڑی ہی سختی سے محفوظ رکھا۔

دوسری جگہ ہے۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ...... ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝ (۳۷/۷۵-۸۲)

اور یقیناً (یہ واقعہ ہے کہ) نوح نے ہمیں پکارا۔ سو ہم کیسے اچھے پکار کا جواب دینے والے ہیں اور ہم نے اُسے اور اس کے پیرووں کو کرب عظیم سے نجات دی۔ اور اس کی نسل کو باقی رہنے والا بنایا۔ (اور مخالفین کی نسل برباد ہوگئی) اور ہم نے آنے والوں میں اس کا (نیک نام) چھوڑا۔ اقوام عالم میں نوح پر سلام ہو۔ یقیناً ہم اس طرح مخلص بندوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ وہ یقیناً ہمارے ایمان والے بندوں میں سے تھا۔ پھر اوروں کو ہم نے غرق کر دیا۔

ان آیات میں "اہل" کے لفظ پر غور کرو۔ یہ اپنے اندر ایک ایسی عظیم الشان حقیقت پوشیدہ رکھتا ہے جو تاریخ انسانیت میں اہمات اصول میں سے ہے۔ ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ حضرت نوحؑ اور ان کے "اہل" کو اس عذاب سے محفوظ رکھا گیا۔ عام اصطلاح میں "اہل" سے مراد کنبہ اور خاندان کے افراد ہوتے ہیں۔ لیکن آسمانی لغت میں اس سے مفہوم کچھ اور ہے۔ سورۂ مومنین میں اہل میں ایک استثناء (EXCEPTION) ہے۔

فَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا ...... اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ (۲۳/۲۷)

پس ہم نے نوح کی طرف وحی بھیجی کہ ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بنا۔ جب ایسا ہو کہ ہمارے حکم کا وقت آجائے اور زمین کے چشمے پھوٹ نکلیں تو کشتی میں ہر جانور کے دو دو جوڑے ساتھ لے لے۔ اور اپنے اہل کو بھی مگر اہل کے ایسے لوگوں کو نہیں جن کے لئے پہلے فیصلہ ہو چکا۔ اور دیکھ! جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے بارے میں ہم سے کچھ عرض معروض نہ کیجیو، وہ ڈوب کر رہیں گے۔

اس کی تفسیر سورۂ نوح میں ان الفاظ سے کر دی گئی۔

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ۝ (۷۱/۲۸)

(نوح نے کہا) اے میرے رب میری اور میرے ماں باپ کی حفاظت فرما اور اس کی جو ایمان لاتا ہوا میرے گھر میں داخل ہو اور (ایسے اہل خانہ کے علاوہ عام) مومن مردوں اور مومن عورتوں کی اور (ظالموں کو) جو (ایمان نہیں لاتے تباہی اور بربادی میں بڑھائے جائیو۔

اس سے واضح ہو گیا کہ نظامِ خداوندی میں اہل سے مراد کیا ہے۔ یہاں اپنوں اور غیروں کی تقسیم نسب اور قرابت داری کی رُو سے نہیں ہوتی بلکہ کفر اور ایمان کی رو سے ہوتی ہے۔ دعوت نوحیؑ میں یہ مقام ایسا بلند ہے جسے قرآن کریم نے کھلے کھلے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ تاکہ یہ اصولی اور اساسی معیارِ تقسیم واضح طور پر سامنے آجائے۔ کیونکہ انسانی تمدن اور عمرانیت کی صحیح اور غلط تعمیر اسی معیار کے صحت اور سقم پر مبنی ہے۔ ذرا غور کیجئے! چاروں طرف طوفان بلا انگیز موجزن ہے۔

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ (۱۱/۴۲)

اور (دیکھو) ایسی موجوں میں کہ پہاڑوں کی طرح اٹھتی ہیں، کشتی انہیں لئے جا رہی ہے۔

بیٹا سامنے آجاتا ہے۔ محبت پدری جوش میں آتی ہے۔ آواز دیتے ہیں:

وَنَادٰى نُوْحُ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (۱۱/۴۲)

اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا۔ وہ کنارہ پر (کھڑا) تھا۔ اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا۔ کافروں کے ساتھ نہ رہ۔

بیٹا انکار کرتا ہے اور خدا کے آسرے کو چھوڑ کر دوسرے آسروں کی طرف رجوع کرتا ہے۔

قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ۗ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ۝ (۱۱/۴۳)

اس نے کہا "میں کسی پہاڑ پر پناہ لے لوں گا، وہ مجھے پانی کی زد سے بچا لے گا۔ نوح نے کہا (تو کس خیالِ خام میں پڑا ہے) آج اللہ کی ٹھہرائی ہوئی بات سے بچانے والا کوئی نہیں، مگر ہاں وہی جسے اس کی رحمت اپنے آغوش میں لیلے۔ اور (دیکھو) دونوں کے درمیان ایک موج حائل ہو گئی۔ پس وہ انہی میں ہوا جو ڈوبنے والے تھے۔

حضرت نوحؑ بیٹے کی ضد اور حماقت کے انجام سے واقف ہیں وہ اس کے انجام (تباہی و غرقابی) کے تصور سے گھبرا اُٹھتے ہیں۔ عرض کرتے ہیں۔

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ (۱۱/۴۵)

اور نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا۔ خدایا میرا بیٹا تو میرے اہل میں ہے اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے۔ تجھ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں۔

اسلام کی سرگذشت

عرب کی جغرافیائی پوزیشن، نسبی معلومات، اہم ترین قبائل، ہمسایہ اقوام سے ان کے تجارتی اور ثقافتی روابط پر گزشتہ اشاعتوں میں بحث کی جا چکی تھی۔ نیز عرب کی سرحدوں پر اسلام سے پہلے عرب حکومتوں اور مدنیتوں کے قیام کے سلسلہ میں حیرہ کی مملکت و مدنیت کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ موجودہ اشاعت میں حیرہ کے متعلق مزید تفصیلات اور غسانی مملکت و مدنیت کے قیام سے گفتگو کی جا رہی ہے۔

جب منذر کا رجحان ایران کی طرف ہو گیا . . . تو رومیوں نے اسے گرفتار کر کے صقلیہ کی طرف جلاوطن کر دیا۔

اس کے بعد نعمان بن منذر تخت نشین ہوا۔ اس کا لقب ابو قابوس تھا۔ یہ نابغہ ذبیانی (مشہور شاعر) کا ممدوح رہا ہے اس پر کسریٰ ناراض ہو گیا تو یہ جان بچا کر بھاگ گیا۔ پھر اس نے شہنشاہ ایران کے پاس پناہ لی۔ شہنشاہ نے اسے قید کر دیا۔ تاآنکہ وہ قید ہی میں مر گیا۔ یہ تقریباً سنہ ۶۰۲ء کا واقعہ ہے۔ اس کے مرنے پر ایرانی حکومت نے قبیلۂ لخم کی امارت کا نظام ہی ختم کر دیا۔ اور اپنی طرف سے ایرانی گورنر مقرر کرنے شروع کر دیئے جن کی اطاعت حیرہ کے تمام امراء عرب کرتے تھے۔ یہ دستور سنہ ۶۳۳ء تک باقی رہا کہ حیرہ کو خالد بن ولید رضؓ نے فتح کر لیا۔

حیرہ کے عرب، بہ نسبت جزیرہ کے عربوں کے عقل و تہذیب کے اعتبار سے زیادہ ترقی یافتہ تھے کیونکہ وہ اولاً تو خود متمدن ہو چکے تھے اور دوسرے ایران کی عظیم مدنیت کے پڑوس میں رہتے تھے جس کے ساتھ ان کو گہرا ربط تھا۔ ان میں ایسے لوگ موجود تھے جو عمدگی کے ساتھ فارسی زبان جانتے تھے۔ ابن خلدون میں ہے کہ عدی بن زید حیری پرویز شہنشاہ ایران کے ترجمانوں میں سے تھا اس کا باپ زید شاعر اور خطیب تھا۔ جو عربی اور فارسی کتابیں پڑھ سکتا تھا۔ بلاشبہ ان بعض اہل حیرہ کی فارسی زبان سے واقفیت ہی ایرانی تہذیب و آداب کے عربوں کی طرف منتقل ہونے کا بڑا واسطہ بنی تھی بلکہ حیرہ کے ان عربوں میں یونان کے علوم و آداب بھی بڑی حد تک سرایت کر چکے تھے۔ ایرانی حکومت نے ہرمزاول کے عہد میں کئی نوآبادیاں قائم کی تھیں جو رومی ایرانی جنگ پر مشتمل تھیں۔ ان قیدیوں میں بہت سے قیدی ایسے بھی تھے جو یونانی ثقافت سے کافی متاثر تھے۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے۔ جو ہندسہ، طب اور دیگر فنون میں ایرانیوں پر فوقیت رکھتے تھے۔ یہ لوگ اپنے اہم معاملات میں ان لوگوں سے کام لیتے تھے۔ ان قیدیوں میں سے بہت سے حیرہ میں رہنے لگے تھے۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ حیرہ میں نصرانیت کا سرچشمہ یہی لوگ تھے۔ بہرحال حیرہ میں ایسے لوگ موجود تھے جو نصرانیت کی بشارت اور دعوت دیتے تھے۔ ان کی دعوت پر نعمان لخمی کی بیوی ہند نے لبیک کہا۔ اس نے ایک گرجا بھی بنایا تھا جو دیر ہند کے نام سے مشہور تھا۔ یہ گرجا طبری کے زمانہ تک موجود تھا۔

حیرہ کے عربوں، وہاں کے امراء اور ان کی تاریخ کا ادب عربی پر اور عام عربوں کی حیات عقلیہ پر بڑا گہرا اثر تھا۔ چنانچہ جذیمہ ابرش اور زبا کی کہانیاں (یہ دونوں آدمی حیرہ کی مملکت کے قیام سے پہلے کے عہد حیرہ کے باشندوں سے ہیں) اور خورنق، سدیر کے متعلق گانے اور ان کی بڑائی کے تذکرے، سنمار بانی خورنق کے متعلق قصے اور حکایات اور ضرب الامثال، نعمان کے بردد جنگی ایام کا ذکر، یوم نعیم اور یوم بؤس۔ یہ تمام چیزیں اور اس قسم کی دوسری چیزیں ادب عربی کے بڑے حصہ پر حاوی ہیں۔ جن کا تعلق حیرہ کے عربوں اور ان کی زندگی سے تھا۔ اس پر اتنا اضافہ اور کر لیجئے کہ ابن رستہ نے "الاعلاق النفیسہ" میں بیان کیا ہے کہ قریش کو زندقہ کی تعلیم زمانۂ جاہلیت میں اور لکھنے پڑھنے کی تعلیم اسلام کے ابتدائی دور میں اہل حیرہ ہی نے دی تھی۔

جزیرہ کے عرب شعراء امراء حیرہ کے درباروں کا رخ کرتے تھے جو انہیں عطایا میں کثیر اموال دیا کرتے تھے تاکہ وہ ان کی مدح سرائیاں بدوؤں اور جزیرۂ عرب کے اطراف و اکناف میں کرتے پھریں۔ نابغہ ذبیانی کا دیوان ان قصائد سے بھرا پڑا ہے جو اس نے نعمان کی مدح میں یا اس کے حضور اپنی معذرتیں وغیرہ پیش کرتے ہوئے کہے ہیں۔

غسانیوں کی حکومت

جیسا کہ قبیلۂ لخم نے حیرہ میں حکومت قائم کر رکھی تھی۔ ایسے ہی غسانیوں نے بھی شام میں ایک حکومت کی بنیاد قائم کر لی تھی۔ نسب نگاروں کا ان کے متعلق بھی یہی بیان ہے کہ ان کی اصل بھی یمن ہی سے تعلق رکھتی تھی۔ ان کی حکومت تقریباً حوران اور بلقاء کے دونوں علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ ان کا پایۂ تخت کسی ایک جگہ پر مقرر نہیں تھا۔ بعض شعراء کے اقوال سے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ جولان اور جابیہ ان کا پایۂ تخت تھا اور کبھی وہ جلق کو جو دمشق کے قریب تھا کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ وہی ان کا پایۂ تخت معلوم ہوتا ہے۔

عربی تاریخ میں علی العموم شام کے اندر غسانیوں کی تاریخ کچھ پیچیدہ سی تھی۔ مورخین کے ان بیانات کا جو وہ امراء حیرہ کے متعلق اور غسانیوں کے متعلق پیش کرتے ہیں۔ مقابلہ کرتے ہیں تو امراء حیرہ کے متعلق واضح اور مفصل بیانات ملتے ہیں۔ جب کہ غسانیوں کے متعلق ناقص اور نہایت متناقض بیانات ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر حمزہ اصفہانی اور ابو الفداء، مثلاً شاہان غسانیہ کی تعداد اکتیس بتاتے ہیں جب کہ ابن قتیبہ اور مسعودی ان کی تعداد صرف دس یا گیارہ بتا رہے ہیں۔ ایسے ہی حمزہ۔ حارث بن جبلہ کی مدت حکومت صرف دس سال بتاتا ہے جب کہ اس کے ہمعصر رومی مورخین اس کی مدت حکومت چالیس سال بتاتے ہیں بلکہ جب ہم عربوں کے ان بیانات کا جو وہ ایران اور ایرانی تاریخ اور ان کے ساتھ روابط کا ذکر کرتے ہیں ان بیانات سے مقابلہ کرتے ہیں جو وہ رومیوں کے اور ان کے ساتھ روابط کے متعلق بیان کرتے ہیں تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ایران سے متعلق ان کے بیانات دقیق تر اور صحت سے قریب تر ہوتے ہیں۔ جب کہ رومیوں کے متعلق ان کے بیانات نہایت ہی ناقص، مضطرب اور غلط ہوتے ہیں۔ ۔۔۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ۔۔۔ غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ ایرانیوں نے خود اپنی مملکت اور حیرہ کی مملکت کی تاریخ مدون کر دی تھی۔ عرب مورخین کا ماخذ در اصل یہی ایرانی تصنیفات تھیں اگرچہ ہم تک ایرانیوں کی اصل تصانیف نہیں پہنچیں جن کو عربوں نے ان کی تاریخ نقل کی ہے لیکن "تاریخ طبری" میں صراحتہً یہ موجود ہے کہ "مجھ سے ہشام بن محمد کلبی کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ "میں حیرہ والوں کے حالات اور لخمی و حیرہ کے خاندان کا نسب (یہ حیرہ کے رہنے والے تھے) اور خاندان کسریٰ کی جو کچھ وہ خدمت کرتے رہے تھے یہ ان لوگوں کی نسبی تاریخ حیرہ کے گرجاؤں سے نکالا۔ کیونکہ انہیں میں ان کی مملکت اور ان کے دیگر امور کی پوری تفصیلات مل جاتی ہیں۔"

لیکن غسانیوں کے ہم عصر جو مورخین تھے وہ سب یونانی تھے جو یونانی زبان میں تاریخی کوائف مدون کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ بہ نسبت ایرانیوں کے یونانیوں کے ساتھ عربوں کا رابطہ بہت ہی کم رہا ہے۔

اس پر اتنا اضافہ اور کر لیجئے کہ ایرانی قیدیوں میں سے جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے ان کی تعداد یونانی قیدیوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ تھی۔ ایران کے قیدیوں میں اپنی قوم کا تعصب بھی بہت زیادہ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اپنی تاریخ کی حفاظت اور اس کے نشر و اشاعت سے ان کی شان بلند ہوتی ہے۔

بہرحال شام میں غسانیوں کی ایک مملکت تھی۔ اس مملکت اور حیرہ کی مملکت میں شدید دشمنی تھی۔ اور اکثر ان کے مابین ہولناک جنگیں بھی ہوئیں۔

ان غسانی امراء میں سے جن کی امارت کے متعلق مورخین کو وثوق ہے اہم ترین اور پہلا امیر حارث بن جبلہ ہے اسے ایمپرر جسٹنیان نے سنہ ۵۲۹ء میں بیریا کے تمام عربی قبائل کا امیر مقرر کیا تھا۔ اور اسے فیلارک اور بطریق (PHYLARCH اور PATRICIUS) کے لقب سے نوازا تھا۔ رومی مملکت میں ایمپرر کے بعد یہ بلند ترین لقب ہوا کرتا تھا۔ حارث یعقوبیوں کے مسلک پر نصرانی تھا اور یعقوبیوں کے کنیسہ کا بڑا محافظ شمار ہوتا تھا اس نے اپنی حکومت کا زیادہ تر زمانہ منذر سوم امیر حیرہ کے ساتھ جنگ میں گذارا تھا۔ جون سنہ ۵۵۴ء میں حارث نے قنسرین کے مقام پر منذر پر بڑی فتح حاصل کی تھی یہی وہ واقعہ ہے جو عربوں میں یوم حلیمہ کے نام سے مشہور ہے جس کے بارے میں ایک ضرب المثل بھی چلی آتی ہے کہ "ما یوم حلیمۃ بسر" (حلیمہ کا دن کوئی ڈھکا چھپا راز نہیں ہے) اسی حارث نے سنہ ۵۶۳ء میں قسطنطنیہ کا سفر بھی کیا تھا۔

مجلس اقبال

گذشتہ اشاعت میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ جب ڈاکٹر نکلسن نے علامہ اقبال کی مثنوی اسرار خودی کا انگریزی میں ترجمہ شائع کیا تو یورپ میں بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کئے ان اعتراضات کے جواب خود حضرت علامہ نے ڈاکٹر نکلسن کے نام اپنے مکتوب گرامی میں دیئے۔

لیکن یہ اعتراضات یورپ تک ہی محدود نہ تھے خود اپنے وطن میں بھی اس پر بہت سے اعتراضات ہوئے۔ اگرچہ یورپ کے اعتراضات اور یہاں کے اعتراضات کی نوعیت اور اسلوب دونوں میں نمایاں فرق تھا۔ علامہ اسلم جیراجپوری نے جب مثنوی اسرار خودی پر تبصرہ لکھا تو ان اعتراضات کو بھی سامنے رکھ لیا۔ اس تبصرہ کو خود علامہ اقبال نے بھی پسند کیا۔ لہٰذا ہم (اس سلسلہ میں) اس تبصرہ کو شائع کرنے کی مسرت حاصل کرتے ہیں اس کے بعد ہم علامہ اقبال کا وہ خط بھی شائع کریں گے جو انہوں نے اس تبصرہ کے متعلق لکھا تھا۔ ان تمام چیزوں سے علامہ اقبال کے تصور خودی کے متعدد گوشے واضح ہو جاتے ہیں۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ اصل مثنوی تک آنے سے پہلے ان گوشوں کو اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ کا تبصرہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ ان تمام مقالات کے متعلق ہم نے یہ التزام رکھا ہے کہ انہیں علیٰ حالہٖ شائع کردیا جائے اور اپنی طرف سے ان پر کچھ نہ لکھا جائے۔ (طلوع اسلام)

ڈاکٹر اقبال کی مثنوی اسرار خودی جب سے شائع ہوئی ہے اس وقت سے اس پر مخالفین کے اعتراضات کا سلسلہ جاری ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس مثنوی میں تصوف کی بحث میں حکیم افلاطون یونانی اور خواجہ حافظ شیرازی کو بزدگوسفند لکھا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

راہبِ اوّل فلاطونِ حکیم   از گروہ گوسفندانِ قدیم
گوسفندے در لباسِ آدم است   حکم او بر جانِ صوفی محکم است
بسکہ از ذوقِ عمل محروم بود   جان او وارفتۂ معدوم بود
منکرِ ہنگامۂ موجود گشت   خالقِ اعیانِ نامشہود گشت
کار او تحلیلِ اجزائے حیات   قطعِ شاخِ سروِ رعنائے حیات

خواجہ حافظؒ کے متعلق لکھا ہے:

ہوشیار از حافظِ صہبا گسار   جامش از زہرِ اجل سرمایہ دار
نیست غیر از بادہ در بازار او   از دو جام آشفتہ شد دستار او
چوں جرس صد نالۂ رسوا کشید   عیش ہم در منزلِ جاناں ندید
آں فقیہِ ملّتِ مے خوارگاں   آں امامِ ملّتِ بے چارگاں
گوسفند است و نوا آموختہ است   عشوہ و ناز و ادا آموختہ است
دل رُبائی ہائے او زہر است و بس   چشمِ او غارت گرِ شہر است و بس
از مجرِ یوناں زمیں زیرک تر است   پردۂ ہوشش حجابِ اکبر است
بگذر از جامش کہ در مینائے خویش   چوں مریدانِ حسن دارد حشیش
محفلِ او در خورِ ابرار نیست   ساغرِ او قابلِ احرار نیست
بے نیاز از محفلِ حافظ گذر   الحذر از گوسفنداں الحذر

مخالفین کو افلاطون کی نسبت کم لیکن خواجہ حافظ کی بابت زیادہ ملال ہے، کیونکہ وہ صرف شاعر ہی نہیں بلکہ ایک مقدس بزرگ بھی تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے حمیت کے جوش میں وہ بھی ڈاکٹر صاحب کو ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہیں۔ میں ایک عرصہ سے اس بحث کو دیکھ رہا تھا، لیکن اس وجہ سے خاموش تھا کہ یہ اصولی بحث نہ تھی۔ چند روز ہوئے میرے پاس مثنوی رازِ بیخودی ایک دوست کے ذریعہ سے پہنچی۔ جو خان بہادر پیرزادہ مظفر احمد صاحب متخلص بہ فضلی پنشنر ڈپٹی کلکٹر محکمۂ انہار پنجاب نے اسرار خودی کے جواب میں لکھ کر شائع کی ہے۔ بعض دوستوں نے اصرار کیا کہ میں کچھ ان دونوں مثنویوں پر لکھوں۔ اس لئے مجبوراً مہرِ سکوت کو توڑنا پڑا۔ لیکن میرے اس لکھنے کا منشا صرف یہ ہے کہ اس بحث کو اصل مرکز پر لاؤں تاکہ آئندہ موافقین یا مخالفین جو کچھ لکھیں وہ قوم کے لئے مفید ہو۔ ذاتیات سے کوئی فائدہ مترتب نہیں ہوتا۔

احترامِ سلف

ڈاکٹر صاحب نے اس مثنوی میں خواجہ صاحب[1] کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ اگر نہ لکھتے تو بہتر تھا۔ کیونکہ اس کی وجہ سے ایک تو خود ان کی ذات پر حملے ہونے لگے۔ اس لئے کہ قدیمی اصول ہے۔

بزرگش نخوانند اہلِ خرد   کہ نامِ بزرگاں بزشتی برد

دوسرے نفس مسئلہ جو مفید تھا ان ناگوار بحثوں کے حجاب میں آگیا۔ چنانچہ پیرزادہ صاحب جنہوں نے اس دھوم دھام سے اس مثنوی کا جواب لکھا ہے وہ بھی اصل بحث کو نظر انداز کر گئے اور صرف افلاطون اور حافظ کی مدح سرائی اور ڈاکٹر صاحب پر فقرے چست کرنے میں مشغول رہے۔ بزِ گوسفند کے جواب میں کہیں شغال اور کہیں خر بنایا ہے اور دشمنِ اسلام اور رہزنِ اسلام وغیرہ خطابات بخشے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

نو دمیدہ سبزۂ وحشت سگال   جامہ زن در خیلِ دستاں چوں شغال
فلسفہ فطرت زدیں برگشتگاں   در بیابانِ جنوں سرگشتگاں
عقل و دین و داد را دشمن ہمہ   در لباسِ تختگاں رہزن ہمہ
از دمِ گفتارِ دستاں داستاں   فلسفہ در دل تصوف بر زباں
دشمنِ جاں آمدند اسلام را   رہزنِ جاں آمدند اسلام را
وائے بر ایں پختگانِ عقلِ خام   اولیا را میش و بز کردند نام
از دمِ مکرِ شغالاں الحذر   الحذر از بد سگالاں الحذر

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

از خودی پیغارہ زن اسلاف را   کردہ پامالِ جنوں انصاف را
بندہ دنیا بہ دنیا دیں فروش   سربسر ملّت فروش آئیں فروش

پیرزادہ صاحب کے ان اقوال کو جب صوفیانہ حلم و حسن ظن کی میزان میں ہم تولتے ہیں تو ان کی سبکی نہایت حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے۔

خواجہ حافظ کے کلام کے متعلق اس قسم کی رائیں پہلے سے بھی لوگوں کی چلی آتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کچھ اس کے اول مجرم نہیں ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ بادشاہ عالمگیر نے عام منادی کرادی تھی کہ دیوانِ حافظ کوئی نہ پڑھے۔ کیونکہ لوگ اس کے ظاہری معنی سمجھ کر گمراہ ہوتے ہیں۔ نیز مولانا حالی مرحوم نے حیاتِ سعدی میں لکھا ہے:

خواجہ حافظ کی غزل مجالس اور محافل میں سب سے زیادہ گائی جاتی ہے اور اس کے مضامین سے اکثر لوگ واقف ہیں۔ وہ ہمیشہ سامعین کو چند باتوں کی ترغیب دیتی ہے عشق حقیقی کے ساتھ عشق مجازی اور صورت پرستی و کام جوئی کو بھی وہ دین و دنیا کی نعمتوں سے افضل بتاتی ہے۔ مال و دولت، علم و ہنر، نماز روزہ، حج و زکوٰۃ، زہد و تقویٰ غرضکہ کسی شے کو نظر بازی اور شاہد پرستی کے برابر نہیں ٹھہراتی۔ وہ عقل و تدبیر، مآل اندیشی تمکین و وقار، ننگ و ناموس، جاہ و منصب وغیرہ کی ہمیشہ مذمت کرتی ہے اور آوارگی، رسوائی، بدنامی وغیرہ کو جو عشق کی بدولت حاصل ہو تمام حالتوں سے بہتر ظاہر کرتی ہے۔ دولتِ دنیا پر لات مارنا، عقل و تدبیر سے کام نہ لینا، توکل و قناعت کے نشہ میں اپنی ہستی مٹا دینا اور جوہرِ انسانیت کو خاک میں ملا دینا، دنیا و مافیہا کے زوال و فنا کا ہر وقت تصور باندھے رکھنا۔ علم و حکمت کو لغو و پوچ اور حجابِ اکبر جاننا، حقائقِ اشیا میں کبھی غور و فکر نہ کرنا، کفایت شعاری اور انتظام کا ہمیشہ دشمن رہنا۔ جو کچھ ہاتھ لگے اس کو فوراً کھو دینا اور اسی طرح کی بہت سی باتیں اس سے مستفاد ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام مضامین ایسے ہیں جو ہمیشہ بے فکروں اور نوجوانوں کو بالطبع مرغوب ہوتے ہیں اور کلام کا سادہ اور عام فہم ہونا اور شاعر کی فصاحت و بلاغت اور مطرب و رقاصہ کی خوش آوازی اور حسن و جمال اور مزامیر کی لے ان کو سونے پر سہاگہ اور اُن کی تاثیر کو دس بیس گنا کر دیتی ہے اور جب باوجود ان سب باتوں کے سامعین کو یہ

[1] میں خوش ہوں کہ اس مثنوی کے دوسرے ایڈیشن میں ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ خواجہ صاحب کے متعلق لکھا تھا اس کو حذف کر دیا، اور اس کے بجائے نئے اشعار لکھ دیے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ اس کا مفید اور دلچسپ دیباچہ بھی نکال ڈالا گیا جس کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

(باقی صفحہ ۱۸ پر دیکھئے)

عورت کا قرآن

(۶)

نسوانی مسائل کے بیان میں "ازواج مطہرات" اور اُمہات المومنین کی روایتیں اس امر پر شاہد عادل ہیں۔ اگر بقول نسائی (صفحہ ۱۰۵) خود، اُمّ المومنین حضرت عائشہ سے روزے کا یہ حکم پوچھ سکتے ہیں کہ روزہ دار کو عورت سے تمتع کی کس حد تک اجازت ہے؟ اور وہ تفصیلاً بیان کر سکتی ہیں۔ اگر بقول بخاری (جلد اول صفحہ ۳۹) ابو سلمہ ایک ساتھی کے ساتھ اُمّ المومنین حضرت عائشہ سے رسول اللہ کے غسل کی تفصیلات دریافت کر سکتے ہیں اور موصوفہ ایک پردہ ڈال کر نہا کے دکھا سکتی ہیں کہ رسول اللہ اس طرح غسل فرماتے تھے۔ اُن سے زیادہ ہرگز معزز و محترم نہیں ہوں جو خدا کی بات، اپنی بہنوں سے بیان کرتے میں شرماؤں، یا شرماتی۔

میں نے مردوں کی جانب سے کی جانے والی زیادتیوں، کوتاہیوں اور حق تلفیوں کے سلسلے میں کہیں کہیں اُن کا ذمہ دار "علماء" کو ٹھہرایا ہے اس کا مقصود کسی طبقہ یا فرد کی اہانت نہیں۔ دینی معاملات میں عام مسلمانوں کی قیادت جب اُن کے ہاتھ میں ہے تو اُمت کی بے راہ روی کے ذمہ دار وہی ٹھہرائے جائیں گے۔ ریل گاڑیاں انجن کے ڈرائیوروں کی غلطی سے گرا کرتی ہیں۔ مگر بازپرس گارڈ سے کی جاتی ہے۔ اس لئے کہ ذمہ دار وہ ہوتا ہے۔

بعض موقع پر میں نے حقائق کا اعتراف کیا ہے اور ایمانداری سے "عورت" کی کمزوری یا زیادتی کا اعتراف کیا ہے۔ نسوانی نقطۂ نظر سے یہ عیب ہو۔ مگر شرافت و دیانت کا مقتضا یہی ہے کہ اگر واقعی اپنا یا اپنی جنس کا کوئی عیب بتایا جائے تو اسے تسلیم کیا جائے۔ یا کم از کم حق و صداقت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔

اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (انعام ۱۹)

جب کوئی بات کہو تو انصاف کے ساتھ اگرچہ قرابتمندی کا معاملہ ہی کیوں نہ ہو۔

اپنے عیب کا اعتراف حماقت نہیں دیانت ہے اور ایک مسلمان کے لئے ہرگز مناسب نہیں کہ وہ ہٹ دھرمی دکھلائے۔ قرآن پاک نے اس کی سخت تاکید کی ہے۔

آخر میں پھر ایک بار میں اپنی بہنوں سے یہ عرض کرنا ضروری سمجھتی ہوں کہ یقیناً آپ اپنے سارے جائز حقوق طلب کیجئے، میں بھی آپ ہی کی صنف کی ایک فرد ہوں اس لئے آپ کے ساتھ ہوں اور اسی لئے میں نے یہ کتاب لکھی ہے۔ مگر جب آپ "مسلمان" ہیں یعنی جب آپ اپنے کو "قرآن کی ماننے والی" کہتی ہیں۔ تو آپ کا فرض ہے کہ قرآن پاک کی ہی روشنی میں اور نظام خداوندی کے مطابق اپنے حقوق طلب کیجئے کیونکہ اسی میں فلاح و سعادت اور کامیابی و استقامت کا راز مضمر ہے۔ آپ یورپ کے باطل نظام کی جلوہ باریوں سے متاثر نہ ہوجیئے اور مغربی عورت کی تقلید یا ریس میں کچھ نہ کیجئے۔ یورپ کا نظام بجائے خود انسانی دماغ کی پیداوار ہونے کے سبب ناقص ہے جس کی تباہی لازمی ہے لہٰذا اس کے دیئے ہوئے حقوق نسوانی بھی غارت گر نسوانیت و انسانیت ہیں۔ اور اب خود یورپ کے "عورت" اور "مرد" سب اُس سے نالاں و گریزاں نظر آ رہے ہیں۔ دیکھئے مشہور مغربی فلسفی میسن (MASON) اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

> ہم نے اپنے زمانے کی ابتداء سائنس کی کاریگری سے کی۔ اس وثوق کے ساتھ کہ مادی کامرانیاں، زندگی کے عقدوں کو حل کر دیں گی۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہم سخت غلطی پر تھے۔
> (Creative Freedom p. 184)

اور فرانسیسی مفکر رینی جینوں (Rene Guenon) نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ:۔

> مغرب کے غرق ہو جانے کا خطرہ سر پر ہے۔ وہ خود تو ڈوبے گا ہی لیکن اپنے ساتھ تمام نوع انسانی کو بھی اپنے منتشر افکار و اعمال کے گرداب میں غرق کر دے گا۔
> (The crisis Of the Mordern World. p. 176)

اندرونِ ہند

سنہ ۱۹۵۰ء میں پاکستان کے وزیر اعظم لیاقت علی خاں مرحوم اور بھارت کے وزیر اعظم پنڈت نہرو کے درمیان نئی دہلی میں جو معاہدہ ہوا تھا۔ اس کی مٹی بھارت میں جس طرح پلید ہوئی ہے۔ اس سے ہر شخص واقف ہے۔ لیاقت نہرو معاہدہ کے بعد پورے پاکستان میں ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں آیا۔ جو غیر مسلم اقلیتوں میں سراسیمگی پیدا کرنے کا موجب ہو۔ یا جس سے انہوں نے پاکستان ترک کر کے ہندوستان چلے جانے کا خیال کیا ہو۔ اس کے برخلاف ہندوستان میں آئے روز فرقہ وارانہ فسادات ہوتے رہتے ہیں۔ اور ہندی مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جاتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ طرح طرح سے انہیں پریشان کر کے ملک چھوڑنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ کسی دن کا بھی اخبار اٹھا لیجئے اس میں بھارت کے کسی نہ کسی گوشہ سے مسلمانوں سے متعلق اس قسم کی خبریں موجود ہوں گی۔ اس وقت پاکستان کی مساعی سے مختلف فیہ مسائل پر تبادلہ خیالات کرنے کے لئے جو فضا پیدا ہو چکی ہے۔ وہ بھی مسلمانوں کے لئے مفید ثابت نہیں ہو سکی۔ مثلاً مالیگام۔ الٰہ آباد اور کلکتے میں ہولی کے موقع پر ہندوؤں نے مسلمانوں پر حملے کئے ہیں۔ اور بہتوں کو شہید کر ڈالا ہے! اس سے دوستی اور خیر سگالی کی موجودہ فضا کو بڑا صدمہ پہنچے گا! اس صورت حال کا نتیجہ ہے کہ لیاقت نہرو معاہدے سے لے کر اب تک یعنی پانچ سال سے بھی کم عرصے میں کوئی ساڑھے پانچ لاکھ مسلمان مہاجرین کھوکھرا پار کے راستے سے پاکستان پہنچ چکے ہیں یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔ اور ہر روز سینکڑوں کی تعداد میں مسلمان پاکستان کی حدود میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ حالات ہیں اور ہندوستان پروپیگنڈہ کر رہا ہے کہ مشرقی پاکستان کے ہندو ترک وطن کر رہے ہیں۔ اور آتنی بھاری تعداد میں وہاں سے آ رہے ہیں کہ اس کے لئے باقاعدہ تحقیقات کی ضرورت ہے۔

کشمیر کے شیخ عبداللہ کی گرفتاری کے وقت سینکڑوں نہتے اور بیگناہ مسلمانوں کو پنڈت نہرو کی فوج نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس کی رپورٹیں ایک عرصہ تک پاکستان کے اخبارات میں شائع ہوتی رہیں۔ لیکن مقبوضہ کشمیر میں خبروں پر سنسر بٹھا کر ان اطلاعات کی تردید کر دی گئی تھی لیکن "جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا" کے مصداق جس حقیقت کو چھپانے کی کوشش کی گئی تھی وہ چھپائے چھپ نہیں سکی۔ شیخ عبداللہ کے دست راست مرزا افضل بیگ جو ان کے ہمراہ گرفتار کر لئے گئے تھے۔ اور اب کوئی تین چار ماہ ہوئے رہا کئے گئے ہیں۔ انھوں نے اپنی دنوں مقبوضہ کشمیر کی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے یہ انکشاف کیا ہے کہ "شیخ عبداللہ کی گرفتاری کے بعد تیرہ پندرہ سو آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا"! مرزا صاحب کی اس شہادت کے بعد یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شیخ عبداللہ کی گرفتاری پر مسلمانان کشمیر پر کیا قیامت ٹوٹی ہوگی۔ بخشی غلام محمد نے بزعم خویش اس بیان کی تردید کی۔ یہ اعتراف کرنے کے بعد کہ فوج نے عوام کے ہنگامے کو دبانے کے لئے گولی ضرور چلائی تھی۔ اس نے یہ بتانے کی کوشش کی کہ اس میں تیس یا چالیس آدمی مارے گئے تھے۔ بخشی غلام محمد جس کے کندھے مسلمانوں کے خلاف ہندوستانی بندوقوں کے لئے استعمال کئے گئے ہیں اس سے مختلف جواب نہیں دے سکتا تھا۔ لیکن اس یکطرفہ بیان سے بطلانِ حقیقت کیسے ہو سکتا ہے۔

"اُن کی مدد کیجئے"

۵ مارچ کے طلوع اسلام میں عنوان بالا کے تحت قارئین سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ محمود الحسن صاحب لعلو والہ ڈاک خانہ خان پور (ریاست بہاولپور) کو مطبوعات طلوع اسلام عاریۃً دیں کیونکہ وہ خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے اس پر لاہور سے ایک صاحب نے جو اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے، "قرآنی فیصلے" "اسلامی نظام" "اسباب زوال امت" "تسلیم کے نام" اور "قرآنی دستور پاکستان" یعنی پانچ کتابیں تحفۃً بھیجدی ہیں۔ لہٰذا اطلاعاً تحریر ہے کہ کوئی اور صاحب محمود الحسن صاحب کی مدد کا خیال رکھتے ہوں تو ان کتابوں کے علاوہ دوسری کتابیں بھیجیں۔

مشرقی پاکستان کے سیاسی عناصر اور انکی سرگرمیاں

مشرقی پاکستان میں بہ یک وقت کئی تحریکیں ساتھ ساتھ چل رہی ہیں۔ وہاں کی سیاسی اور مجلسی زندگی پر کئی عناصر الگ الگ اثر انداز ہو رہے ہیں اور کئی عوامل ایک ساتھ کام کر رہے ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہاں کے صحیح خدوخال باہر کے لوگوں کے سامنے نہیں آ پاتے اور وہ وہاں کے ہر روز کے بدلتے ہوئے حالات کو دیکھ کر الجھنوں اور مخمصوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

مشرقی پاکستان کے صحیح حالات اور وہاں کے لوگوں کے ذہنی رجحانات معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان خود وہاں رہ کر دیکھے کہ وہاں کے لوگوں کے دل کی دھڑکنوں میں کیا آرزوئیں اور امنگیں پوشیدہ ہیں اور ان کے ذہن کن خطوط پر سوچتے ہیں۔ اور ان کے عزائم اور ارادے کیا ہیں! مشرقی پاکستان والوں سے قریبی رابطہ قائم کئے بغیر صحیح حالات کا علم نہیں ہو سکتا۔

ان سطور کے راقم کا مشرقی پاکستان والوں سے برسوں کا تعلق ہے۔ وہ مدت تک ان کے دکھ درد، رنج و غم اور خوشی ومسرت میں برابر کا شریک رہا ہے۔ اور آج بھی بہت قریب سے ان کے دل کی دھڑکنیں صاف طور سے سن رہا ہے۔ لیکن چونکہ مغربی پاکستان کا ہر شخص خود وہاں جا کر تمام حالات کو معلوم نہیں کر سکتا۔ اس لئے ضروری سمجھا گیا ہے کہ وہاں کی سیاسی اور معاشرتی زندگی اور ان پر اثر انداز ہونے والے عناصر سے انھیں روشناس کرایا جائے۔ اور انھیں بتایا جائے کہ مشرقی پاکستان اس وقت کس دوراہے پر کھڑا ہے۔ اس کے نوجوان اور بوڑھے کیا سوچ رہے ہیں۔ اور ان کی نگاہیں کس سمت کو اٹھی ہوئی ہیں۔ مشرقی پاکستان میں اس وقت ہندو، کمیونسٹ، متحدہ محاذ اور دوسری سیاسی پارٹیاں سرگرم عمل ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ موثر عنصر ہندوؤں کا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے ہندوؤں کی سرگرمیوں کا مختصر جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد دوسرے عناصر کے متعلق گفتگو کی جائے گی۔

تقسیم سے کچھ پہلے

پاکستان کی جنگ دہلی، پنجاب، بہار اور یوپی میں لڑی جا رہی تھی۔ بنگال میں مسلمانوں کی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز کلکتہ تھا۔ کلکتہ میں قیام پاکستان کی جنگ کی سربراہی باہر کے مسلمان کر رہے تھے کیونکہ بنگال کی ساری معاشی اور سیاسی زندگی پر وہاں کے مقامی ہندو قابض تھے۔ اگر کہیں کہیں یا کسی علاقہ میں کسی قسم کی تجارت یا صنعت و حرفت کسی مسلمان کے قبضے میں تھی تو وہ بنگال کے باہر کا مسلمان تھا۔ اس لئے بنگال کے ہندوؤں سے اگر کسی قسم کا ٹکراؤ ہوتا تھا تو ہمیشہ باہر کا مسلمان ہی سینہ سپر ہو کر میدان میں آتا تھا۔ بنگال میں مجموعی حیثیت سے مسلمان ۵۵ فیصدی تھے اور ہندو اور دوسرے غیر مسلم ۴۴ فیصدی۔ غیر مسلم ۴۴ فی صدی صرف نام کے تھے۔ ورنہ عملی طور پر پورے بنگال پر انہی کی اجارہ داری قائم تھی۔ بنگال کے مغربی اضلاع چوبیس پرگنہ، بردوان، آسن سول، مدنا پور اور ہولی وغیرہ میں ہندو بہت بڑی تعداد میں آباد تھے۔ اور مشرقی اضلاع میمن سنگھ، چاٹگام، ڈھاکہ اور نواکھالی وغیرہ وہ علاقے تھے جہاں مسلمان اکثریت میں تھے۔

چونکہ بنگال کے مغربی اضلاع میں ہندو بہت بڑی تعداد میں آباد تھے۔ اس لئے ہندوؤں نے بڑے منظم طور پر اپنی ساری توجہ انہی علاقوں پر مبذول کی۔ اور ان اضلاع کو ہر طرح بہتر بنانے کی کوششیں کرتے رہے۔ چنانچہ تمام بڑے کارخانے اور صنعتی ادارے وغیرہ مغربی علاقوں میں ہی قائم ہوتے رہے مشرقی اضلاع میں اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ جو زیادہ تر کاشت کار تھے لیکن یہاں بھی ہندوؤں کو یہ برتری حاصل تھی کہ مشرقی اضلاع کی تقریباً ساری زمینداری پر وہ قابض تھے۔ مغربی بنگال میں تو مسلمانوں کی سیاسی سرگرمیوں یا معاشی ترقیوں کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ لے دے کے کلکتہ میں باہر کے مسلمان سرگرم عمل تھے لیکن مشرقی بنگال میں بھی ہندو زمینداروں نے مسلمان کاشت کاروں کو اس قدر دبا رکھا تھا کہ وہ سیاسیات کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ مشرقی بنگال کے ہر شہر بلکہ ہر گاؤں میں ہندوؤں نے کئی کئی کالج اور ہائی اسکول کھول رکھے تھے۔ جو ہندو لڑکوں کے لئے مخصوص تھے۔ مسلمان طالب علموں کے لئے ہندوؤں کے تعلیمی اداروں کے دروازے بند تھے۔

تقسیم کے فوراً بعد

جب تقسیم ہند کا اعلان ہوا تو جس طرح باقی پاکستان میں خوشیاں منائی گئیں، مشرقی پاکستان میں بھی چراغاں کیا گیا۔ مشرقی بنگال کے عوام جو بہت دنوں سے انگریزوں اور ہندوؤں کے ہاتھوں تکالیف اور مصائب اٹھا رہے تھے۔ اور جو چکی کے دو پاٹوں میں برابر پس رہے تھے۔ انھوں نے اطمینان کا سانس لیا کہ اب نہ تو انھیں انگریز پریشان کر سکے گا۔ اور نہ ہی انھیں ہندو تنگ کر سکے گا۔

تقسیم کے وقت مشرقی بنگال کی کل آبادی سوا چار کروڑ تھی جس میں ایک کروڑ بیس لاکھ ہندو تھے۔ یہ ہندو ہر اعتبار سے مقامی مسلمانوں سے برتر اور فائق تھے۔ انھوں نے قیام پاکستان کو روکنے کے لئے جان توڑ کوششیں کیں۔ دامے، درمے، قدمے، سخنے، جس طرح سے بھی ہو سکا انھوں نے پاکستان کے قیام کے راستے میں روڑے اٹکائے مگر جب ان کی ساری کوششوں اور تخریبی سرگرمیوں کے علی الرغم پاکستان کا قیام عمل میں آ ہی گیا تو انھوں نے اپنی سیاسی سرگرمیوں کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ ایسے رخ پر موڑ دیا کہ "سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے" انھوں نے سب سے پہلے مشرقی پاکستان کی مشینری کو معطل کرنے کے لئے یہ کیا کہ چند ہی دنوں کے اندر اپنے کروڑوں روپے مغربی بنگال کے بینکوں کو منتقل کر دیئے۔ اور اس کے ساتھ ہی بڑے منظم طریقے سے مشرقی بنگال کے ہر ضلع کے تمام سرکاری اور غیر سرکاری دفتروں کا سارا نظام درہم برہم کر کے یا تو اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے۔ یا پھر مغربی بنگال چلے گئے۔ ان ہندوؤں کا یہ خیال تھا کہ اس طرح مشرقی پاکستان کا سارا انتظامی ڈھانچہ معطل ہو کر رہ جائیگا۔ اور اس کا معاشی دیوالہ پٹ جائیگا۔ لیکن عین اس موقعہ پر وہاں ایک "تائید غیبی" آ گئی۔ جس نے ہندوؤں کے ان منصوبوں کو خواب پریشاں کر کے رکھ دیا۔ یہ "تائید غیبی" وہ "پناہ گزین" تھے۔ جنھیں بھارت کے فرقہ پرستوں نے بڑی اذیتوں کے ساتھ دیس نکالا دیدیا تھا۔ انھوں نے سارے انتظامات اپنے ہاتھوں میں سنبھال لئے اور دفتروں کا انتظام اس قدر بہتر طریقہ پر چلایا کہ انتظامی مشینری کے درہم برہم ہونے کا سوال تو کجا حالات پہلے سے بہتر ہو گئے۔ اسی طرح باہر کے مسلمانوں نے اپنے کروڑوں روپے مشرقی بنگال کے مختلف بینکوں میں جمع کر کے مشرقی بنگال کو معاشی اور اقتصادی بحران سے بچا لیا۔

خفیہ جلسے

ہندو نے جب یہ دیکھا کہ اس کی یہ تدبیر بھی بیکار گئی۔ تو اس نے پاکستان کو کمزور کرنے کے لئے دوسرے ذرائع پر غور کرنا شروع کر دیا۔ اس کے لئے انھوں نے مشرقی پاکستان کے ہر ہر ضلع میں اپنے خفیہ جلسے کرنے شروع کئے۔ تاکہ منظم طریقے سے سازش کر کے پاکستان میں انتشار پیدا کیا جائے۔ جب ان کی ان خفیہ ریشہ دوانیوں اور تخریبی سرگرمیوں کا علم پاکستانی حکام کو ہو گیا تو انھوں نے اپنی سرگرمیوں کا مرکز کلکتہ کو قرار دے لیا۔ اور وہاں اس کام کے لئے باقاعدہ دفتر کھول دیئے گئے۔ چونکہ مشرقی اور مغربی بنگال کی سرحدوں کو بند نہیں کیا گیا تھا اس لئے تخریب پسندوں کو یہ بڑی آسانی حاصل تھی کہ وہ مشرقی بنگال کے کسی بھی علاقہ میں کوئی شورش چھوڑ کر چپکے سے کلکتہ کی راہ لیتے تھے۔

لڑانے کی تدبیریں

ادھر مشرقی بنگال کے ہندو اپنی تخریبی سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ اور ادھر باہر کے مسلمان مشرقی پاکستان کی معاشی اور اقتصادی ترقی کے لئے جان توڑ کوششوں میں مشغول تھے۔ چونکہ مشرقی پاکستان کے ہر شعبۂ زندگی پر ہندو قابض تھے اس لئے باہر سے آئے ہوئے مسلمانوں کو ہر میدان میں بڑا سخت مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا۔ ہندوؤں نے اپنی ہر چال کو ناکام ہوتے دیکھ کر انگریز کی پرانی پالیسی "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" پر عمل کرنے کی ٹھانی۔ اس لئے اب انھوں نے باہر سے آئے ہوئے مسلمانوں اور مقامی مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی اسکیم بنائی۔ بلاشبہ ہندوؤں کی یہ اسکیم کامیاب رہی (اور ہماری تاریخ کا کون سا دور ہے جس میں غیروں کی یہ اسکیم ناکام رہی ہے) اس مقصد کے لئے انھوں نے ان مقامی مسلمانوں سے اپنے تعلقات خوشگوار بنانے کی سعی شروع کی۔ جنھیں انھوں نے ہر شعبۂ زندگی میں تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔ انھوں نے مقامی مسلمانوں کو یہ بتانا شروع کیا کہ "ہم تم صدیوں سے ایک ساتھ رہتے چلے آئے ہیں، ہماری زبان، کلچر، رہن سہن اور رسم و رواج ایک

دنیا کی نجات، نظریہ ارتقاء، وراثت ارض کا ابدی قانون، ایمان بلا عمل ثواب، زکوٰۃ
یہ چند عنوانات ہیں جناب پرویز کے مجموعہ مضامین
"فردوسِ گم گشتہ"
کے
یہ مجموعہ ابھی چھپ کر تیار ہوا ہے

جیسے ہیں۔ ہماری تاریخی اور تہذیبی روایات مشترک ہیں۔ اس لئے ہمیں آپس میں مل جل کر رہنا چاہیئے۔ یہ باہر کے مسلمان آج آئے ہیں کل چلے جائیں گے۔ ان کی آمد کا مقصد محض تم کو لوٹنا کھسوٹنا ہے۔ پھر پاکستان ہی کا کیا ٹھیک ہے آج ہے کل ختم ہو جائیگا اس لئے عقلمندی اسی میں ہے کہ ہم پچھلی تمام باتوں کو بھلا دیں اور ایک ہو کر پناہ گزینوں کا مقابلہ کریں"۔

اس کے ساتھ ہی انھوں نے مقامی مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات ڈالنی شروع کر دی کہ "بنگال بنگالیوں کے لئے ہے"۔ اور پھر بڑے منظم طریقے سے ان میں یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ ان کی اقتصادی بدحالی کی ساری ذمہ داری باہر سے آنے والے مسلمانوں پر ہے، اگر باہر کے مسلمان یہاں نہ آتے۔ تو مقامی مسلمان کسی قسم کی بھی اقتصادی پریشانی میں مبتلا نہ ہوتے۔ یہ زہریلا پروپیگنڈہ اس قدر منظم طریقے سے پورے صوبہ میں کیا گیا کہ مقامی مسلمانوں کا ایک بہت بڑا گروہ ہندوؤں کے بے پناہ مظالم کو بھول کر اپنے مصائب اور پریشانیوں کی ذمہ داری اور تعصب باہر کے مسلمانوں کو سمجھنے لگ گیا۔ چنانچہ قیام پاکستان کے چند ہی مہینے کے بعد اکثر علاقوں میں مقامی اور غیر مقامی کے جھگڑے شروع ہو گئے۔

ہندو نے اپنی یہ چال کامیاب ہوتے دیکھ کر مسلمانوں کے ان اختلافات کی خلیج کو اور زیادہ وسیع کرنے کے لئے بڑے پیمانہ پر کام شروع کیا۔ اس نے مقامی اور غیر مقامی کا جھگڑا کھڑا کر دینے کے بعد اپنی پوری توجہ مشرقی پاکستان کے طلباء اور نوجوان طبقہ کی طرف مبذول کی۔ مشرقی پاکستان کے تقریباً سارے کے سارے کالج خود ہندوؤں کے قائم کئے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ ڈھاکہ یونیورسٹی جس کے وائس چانسلر ایک مسلمان تھے۔ وہ بھی عملی طور سے ہندو یونیورسٹی ہی تھی۔

تقسیم کے بعد ہندوؤں نے حالات سے مجبور ہو کر مسلمان طالب علموں کے لئے اپنے تعلیمی اداروں کے دروازے کھول لئے شروع کر دیئے تھے چنانچہ تقسیم کے ایک سال کے بعد ہی صوبہ کے تعلیمی اداروں میں ہزاروں مسلمان طالب علموں کو داخلہ کا موقعہ مل گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود کالجوں اور اسکولوں کے سارے داخلی اور خارجی انتظامات ہندوؤں نے خود اپنے قبضہ میں رکھے تھے۔ حتیٰ کہ درس و تدریس کے فرائض بھی ہندو اساتذہ ہی انجام دیتے تھے۔

مقامی اور غیر مقامی مسلمانوں کو آپس میں لڑا دینے کی جو اسکیم عرصہ سے ہندو قائدین اور راہ نما چلا رہے تھے۔ اس اسکیم کو اور زیادہ کامیابی سے چلانے کی ذمہ داری ہندو اساتذہ اور مدرسین نے سنبھال لی۔ انھوں نے بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے پہلے مسلمان طالب علموں کے دلوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔ اور ان کے ساتھ اس قدر فیاضانہ برتاؤ کرنا شروع کر دیا کہ مسلمان طلباء اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ جن مسلمان طالب علموں کو ہندو اساتذہ کبھی منہ نہیں لگاتے تھے۔ اور ہندو طلباء جن سے بات تک کرنا اپنی توہین سمجھتے تھے۔ ان طالب علموں کی ہندو اساتذہ اور ہندو زمیندار اپنے گھروں میں بلا کر دعوتیں دینے لگے۔ ان کی نوجوان لڑکیاں آزادی سے ان کے ساتھ گھومنے پھرنے لگیں۔ ہندو اپنے مذہبی تہواروں اور میلوں کے موقعہ پر مسلمان نوجوانوں اور طالب علموں کو خاص طور پر مدعو کرتے۔ ناچ رنگ، تھیٹر اور ڈراموں میں ہندو لڑکیاں مسلمان طالب علموں کے ساتھ بڑی خوشی کے ساتھ اداکاری کے لئے تیار ہو جاتیں۔

ہندوؤں کے اس فیاضانہ اور فراخدلی کے برتاؤ سے مسلمان طالب علم بہت متاثر ہونے لگے۔ جب ہندوؤں نے دیکھا کہ تیر نشانے پر بیٹھا ہے۔ تو انھوں نے نوجوان طالب علموں کو بہکانا شروع کیا کہ "یہ باہر کے مسلمان تمہیں لوٹنے کھسوٹنے آئے ہیں اور ان کی آمد کا مقصد محض یہ ہے کہ وہ تم پر حکومت کریں"۔ ہندوؤں نے ان نوجوانوں کو بتایا کہ "سنہ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان ضرور آزاد ہو گیا ہے مگر مشرقی بنگال اب تک غلام ہے کیونکہ انگریز کے چلے جانے کے بعد یہاں باہر کے لوگ آ کر حکمراں بن گئے ہیں"۔

ہندوؤں کی یہ چال سب سے زیادہ کامیاب رہی۔ اور انھوں نے مشرقی پاکستان کے نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنا ہمنوا بنا لیا اب انہی ہندوؤں نے مسلمان طالب علموں کو مشورہ دیا کہ "اگر مشرقی بنگال والے غلام ہیں تو پھر پڑھنے لکھنے سے فائدہ؟ ضرورت اس کی ہے کہ ملک کا ہر چھوٹا بڑا "آزادی کی جنگ" میں سر دھڑ کی بازی لگا دے۔

مسلمان طلباء ہندوؤں کی اس چال کا شکار ہو گئے اور وہ اپنی تعلیمی سرگرمیوں کو خیرباد کہہ کر سیاست کے میدان میں کود پڑے۔ اب غیر مسلموں نے مسلمان طالب علموں کو سیاسی تربیت دینی شروع کی۔ چونکہ بنگالی زبان میں اسلامی لٹریچر کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔ اس لئے مسلمان طالب علموں کو مجبوراً ہندوؤں کی لکھی ہوئی اور ہندو دھرم سے متعلق کتابیں پڑھنی پڑتی ہیں۔ بنگال کے مسلمان طالب علم کو ہندو دیوی دیوتاؤں اور ہندو میتھالوجی کی ساری داستانیں تو ازبر ہیں۔ لیکن انھیں یہ تک نہیں معلوم کہ خلفائے اربعہؓ کون تھے۔ اور خالدؓ و طارقؒ کن کے نام ہیں؟

ہندوؤں نے مسلمان طالب علموں کی اپنی دینی اور مذہبی معلومات سے ناواقفیت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اور بڑی عیاری اور چالاکی کے ساتھ انھیں کمیونزم کی تعلیم دینی شروع کر دی۔ ہندو اساتذہ خود کمیونزم پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ مگر انھوں نے مسلمان طالب علموں کو گمراہ کرنے اور اپنا آلۂ کار بنانے کے لئے یہ سلسلہ شروع کیا۔ ان ہندو اساتذہ نے مسلمان طلباء کو بتایا کہ نہ صرف پاکستان بلکہ ساری دنیا کی نجات کمیونزم ہی کے اصولوں کو اپنانے اور برتنے ہی سے ہو سکتی ہے۔ اور کمیونزم ہی وہ طریق زندگی ہے جو دکھی دنیا کے سکھ اور چین کی ضامن ہو سکتی ہے۔ ہندوؤں کی یہ سازش بھی بڑی کامیاب رہی۔ اور مشرقی بنگال کے اکثر کالجوں میں بالعموم اور ڈھاکہ یونیورسٹی میں بالخصوص طلباء نے کھلم کھلا کمیونزم کی تبلیغ شروع کر دی۔ یہ طلباء اس مہم میں اس قدر منہمک ہو گئے کہ انھوں نے پڑھنا لکھنا تو رکھا بالائے طاق اور لگے کھل کر سیاست میں حصہ لینے۔ چنانچہ قیام پاکستان کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ایسا معلوم ہونے لگا کہ شاید دوبارہ "جنگ آزادی" لڑی جا رہی ہے۔

طلباء کی سیاسی سرگرمیوں کو دیکھ کر وہ مسلمان لیڈر پھر سے میدان میں آ گئے۔ جنھیں ملک و قوم ٹھکرا چکی تھی۔ اور جو ایک طرح سے سیاست سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ انھوں نے میدان خالی دیکھ کر ان طلباء کو اپنا آلۂ کار بنایا۔ اور ان کے ذریعہ اپنا خوب کام نکالا (ان طالع آزما لیڈروں اور طلباء کی سیاسی سرگرمیوں کے متعلق کسی آئندہ قسط میں مستقل طور پر بحث کی جائے گی۔ کیونکہ اس وقت زیر نظر موضوع "ہندوؤں کی سیاسی سرگرمیاں" ہیں)

جب ہندوؤں نے پورے صوبے کے طالب علموں کو پڑھنے لکھنے کی بجائے سیاست کی ہنگامہ آرائیوں میں الجھا دیا۔ اس کے بعد انھوں نے صوبے کے ہر شہر میں جلسے کر کے یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ "مشرقی پاکستان میں ہندوؤں کا دھرم، عزت آبرو اور جان و مال محفوظ نہیں ہے۔ حالانکہ یہ امر واقعہ ہے کہ تقسیم کے بعد حکومت پاکستان نے ہندوؤں کے ساتھ جس قسم کا فیاضانہ برتاؤ کیا تھا۔ اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ لیکن ان ہندوؤں نے محض پاکستان کی جڑ کھوکھلی کرنے کے لئے بڑے منظم طریقہ سے شور مچانا شروع کیا۔ اس وقت مشرقی بنگال سے کسی زبان کا کوئی اخبار نہیں نکلتا تھا۔ اس لئے ہندو لیڈروں کے بیانات اور مسلمانوں کے فرضی مظالم کی داستانیں بھارتی (بالخصوص کلکتہ کے) انگریزی اور بنگلہ اخبارات میں چھپا کرتی تھیں۔ بھارت کے اخبارات نے مسلمانوں کے فرضی مظالم کی داستانیں اس قدر منظم طریقہ اور لگاتار بیان کرنی شروع کیں کہ دیہات کے

ماہنامہ طلوع اسلام کے
پرانے پرچے
سنہ ۱۹۴۸ء سے لے کر جنوری سنہ ۱۹۵۵ء تک کے بعض پرانے پرچے دفتر میں موجود ہیں۔ جو بزم ہائے طلوع اسلام کو چوتھائی قیمت پر اور دیگر اصحاب کو آدھی قیمت پر دیئے جائیں گے اس رعایت سے ۳۰ر اپریل تک فائدہ اٹھایا جا سکے گا۔

قدم قدم پر آپ جاننا چاہتے ہیں
کہ اس معاملہ میں قرآن کا کیا
حکم ہے؟
"قرآنی فیصلے"
آپ کے ان سوالوں کا جواب ہے

ہندوؤں نے بڑی تعداد میں بھارت کا رخ کر دیا۔ ادھر خود ہندوستان میں ہندو مہاسبھا کے لیڈر ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی اور ماسٹر تارا سنگھ وغیرہ بار بار مشرقی بنگال کے ہندوؤں سے یہ کہہ رہے تھے کہ وہ مشرقی بنگال چھوڑ کر مغربی بنگال آ جائیں چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں لاکھوں ہندو مغربی بنگال چلے گئے۔ جب وہاں کی حکومت نے ان کے لئے کسی قسم کا کوئی انتظام نہیں کیا اور نہ ہی انکی کسی قسم کی حوصلہ افزائی کی۔ تو وہ سب کے سب پھر سے مشرقی بنگال واپس آ گئے۔ مغربی بنگال جا کر واپس آنے والوں میں سے اکثر اس خیال سے آئے تھے کہ وہ اپنی جائداد، زمین اور کاروبار کو مناسب داموں فروخت کر کے نقد رقم مغربی بنگال لے جائیں، تاکہ وہاں کی حکومت پر بوجھ بن کر نہ رہنا پڑے۔ چنانچہ خرید و فروخت کا پہلا سلسلہ پورے صوبہ میں شروع ہو گیا۔ بڑے اور چھوٹے ہندوؤں نے اپنی جائداد یں مسلمانوں کے ہاتھ دوگنی اور چوگنی قیمتوں پر فروخت کر کے روپیہ ہندوستان کو منتقل کرنا شروع کر دیا۔

ان ہندوؤں نے اپنا یہ اصول بنا لیا کہ وہ رہتے تو مشرقی بنگال میں تھے۔ مگر اپنی ساری امنگوں اور آرزوؤں کا مرکز مغربی بنگال کو سمجھتے تھے۔ بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سارے مشرقی پاکستان میں ایک ہندو بھی ایسا نہیں تھا۔ جسے پاکستان کا وفادار کہا جا سکے مگر نہ جانے کیوں حکومت پاکستان ان کی حرکات و سکنات کو دیکھنے کے باوجود، ان کے ساتھ فیاضانہ برتاؤ کر رہی تھی۔

ہندوؤں نے کچھ دنوں کے بعد اپنے خاندان کی عورتوں اور بچوں کو مستقل طور سے بھارت پہنچا دیا اور خود مشرقی بنگال میں قیام پذیر ہو گئے۔ وہ ہندو ایم۔ ایل۔ اے جو ہمیشہ کراچی اور ڈھاکے کی اسمبلیوں میں بڑی آتش بار تقریریں کیا کرتے تھے انھوں نے بھی اپنے خاندان کے اکثر افراد کو بھارت کے کسی نہ کسی شہر میں منتقل کر دیا تھا۔ یہ ہندو ایم۔ ایل۔ اے صرف اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کرنے کے لئے ڈھاکہ یا کراچی آ جاتے۔ اور اس کے بعد پھر بھارت واپس چلے جاتے۔ حد تو یہ تھی کہ ایک مرکزی ہندو وزیر جوگندر ناتھ منڈل کا خاندان بھی مستقل طور سے بھارت میں آباد ہو چکا تھا۔ اور وہ خود مرکز کے وزیر بنے ہوئے تھے۔ اور کوئی ہفتہ ایسا نہیں جاتا تھا کہ وہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے ملنے کے لئے کلکتہ نہ جاتے ہوں۔ آخر کار ایک دن ایسا آیا کہ منڈل صاحب بہت سے ضروری اور اہم کاغذات لے کر کلکتہ چلے گئے۔ اور وہاں جا کر ایک زہریلا بیان دے کر حکومت ہند کی پناہ میں چلے گئے۔

حکومت پاکستان ہندوؤں کے عزائم اور ان کی تخریبی سرگرمیوں سے اچھی طرح واقف تھی۔ لیکن اس نے جوگندر ناتھ منڈل کے فرار کے بعد بھی سبق حاصل نہ کیا۔ چنانچہ بعد میں پیش آنیوالے واقعات نے ساری دنیا کو یہ بتا دیا کہ مشرقی بنگال میں ہونے والے ہنگامے اور فسادات کا ذمہ دار کون تھا؟ کس کے اشارے پر زبان کی تحریک چلائی گئی۔ اور کس کے ایما پر کرنافلی پیپر مل کا فساد ہوا؟ اور آدم جی جوٹ مل کے خونین ہنگاموں کا ذمہ دار کون ہے؟ یا متحدہ محاذ کے الکشن میں آخر ہندوؤں نے کیوں اس قدر دلچسپی لی۔ مشرقی پاکستان کے کارخانوں اور صنعتی اداروں کو کس نے بند کرانے کی کوشش کی تھی؟ اور اس سے اس کا مقصد کیا تھا؟

یہ ساری تفصیلات آئندہ صفحات میں اپنی اپنی جگہ پر آئیں گی۔ اس وقت صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ آٹھ سال گذرنے کے بعد بھی آج ایک کروڑ بیس لاکھ ہندو اپنی نظریں بھارت کی طرف جمائے بیٹھے ہیں۔ وہ آج بھی مقامی اور غیر مقامی مسلمانوں کو آپس میں لڑانے میں مشغول ہیں۔ اب بھی وہ پاکستان کی تجارت اور صنعت و حرفت پر چھائے ہوئے ہیں۔ اب بھی وہ پاکستان کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے میں مصروف ہیں اور ہمارے ہاں کے اکثر غدار ان وطن بدستور ان کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں۔ یہ ہیں وہ ہندو جنھیں ملا کر مشرقی بنگال کی آبادی مغربی پاکستان سے زیادہ ہو جاتی ہے اور جن کے نمائندے جب جی چاہے مجالس قوانین ساز میں ہمارا توازن الٹ سکتے ہیں۔

آئندہ قسط میں ہم یہ بتائیں گے کہ مشرقی پاکستان کی سیاست میں حضرات علمائے کرام نے کیا کیا گل کھلائے۔

ابلیس و آدم

معاصرین کی نظر میں

معاصر "تاثرات کراچی" نے ۲۳ فروری کی اشاعت میں "ابلیس و آدم" پر مندرجہ ذیل تبصرہ کیا ہے۔

"ابلیس و آدم" ۱۹۴۵ء میں پہلی بار "تمہید رسالت" کے عنوان سے شائع ہوئی تھی۔ اس وقت بھی یہ سلسلہ "معارف القرآن" کی ایک کڑی تھی۔ اور اب بھی یہ اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ البتہ اب نظر ثانی کے بعد کتاب میں ہی ترمیم نہیں کی گئی بلکہ اس کا نمبر دو کی بجائے ایک کر دیا گیا ہے۔ گویا اب یہ سلسلہ معارف القرآن کی جلد اول ہے۔

معارف القرآن، قرآن کا ایک بیش بہا دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) ہے۔ اس کا انداز تفسیر کے پرانے انداز سے مختلف ہے۔ اس میں نئی راہ تراشی گئی ہے اور قرآنی آیات کو موضوع کے اعتبار سے یکجا کیا گیا ہے۔ اس انداز کی افادیت ظاہر ہے کسی موضوع پر قرآن کی تمام متعلقہ آیتیں اکٹھی سامنے ہوں۔ تو ایک متعلم کے لئے اس موضوع پر قرآنی نقطۂ نگاہ معلوم کرنا اور اس کے مطابق اپنی رائے قائم کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ یہ دائرۃ المعارف ایک ایسے شخص کی تصنیف ہے جو غالباً اس کام کے لئے موزوں ترین ہے۔ پرویز نے حالات حاضرہ کی روشنی میں قرآن کے مطالعہ پر اپنی عمر کا بیشتر حصہ صرف کیا ہے۔ لہذا ان کی اہلیت مسلم ہے۔

"ابلیس و آدم" کو ایک لحاظ سے "کتاب پیدائش" کہا جا سکتا ہے۔ گو اس کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے پرویز نے تخلیق آدم کا قرآنی تصور بیان کیا ہے۔ ہر چند ان کا پیش کردہ نظریہ ڈارون کے معروف حیاتیاتی نظریہ ارتقاء سے مشابہ ہے یہ درحقیقت اس سے اساسی طور پر مختلف ہے۔ کیونکہ قرآن کہتا ہے کہ جرثومۂ اولین سے لے کر پیکر انسانی کی موجودہ شکل تک حیات نے جو حیران کن ترقی کی ہے وہ اتفاقی نہیں۔ اس کا ایک مقصد ہے اور وہ ایک خاص سمت کی طرف جاری ہے انسانی شکل اختیار کر کے حیات نے تشخص یا خودی حاصل کر لی ہے۔ اور جس خدائی توانائی سے یہ ممکن ہوا ہے وہ انسان میں بطور ممکنات ودیعت کر دی گئی ہے۔ اسی لئے اقبال نے کہا ہے کہ تمام مخلوقات میں صرف ایک انسان وہ ذات ہے جو اپنے خالق کی تخلیقی زندگی میں سہیم کچھ کر شریک ہو سکتی ہے۔ وہ اس انائے مطلق کی حیات اور آزادی کی حصہ دار ہے جس نے محدود خودی کو ابھرنے کا موقعہ دے کر اپنی آزادی کو اپنی مرضی سے محدود کر لیا ہے۔ یہ نظریہ ڈارون کے نظریہ سے اور زیادہ مختلف ہو جاتا ہے کیونکہ یہ انتخاب طبعی اور بقائے اصلح کے قوانین کو تسلیم نہیں کرتا۔ یہ قوانین حیوانی زندگی میں کارفرما ہیں۔ انسانی زندگی کا قانون تو بقائے انفع ہے۔ یہاں وہ کچھ باقی رہتا ہے جو زیادہ سے زیادہ نفع بخش ہے۔

اس بیان کے بعد مصنف قرآن کے قصہ آدم کو زیر بحث لاتا ہے۔ ان کے نزدیک آدم ایک فرد کا نام نہیں۔ نہ وہ پہلا انسان ہے۔ آدم نوع انسانی کا نمائندہ ہے۔ اس دعوے کی دلیل میں بڑے حتم و یقین سے قرآنی حوالے دیئے گئے ہیں آدم کی بحث سے لامحالہ "ابلیس" "ملائکہ" جن وغیرہ سامنے آ جاتے ہیں۔ ان پر بھی پوری بحث کی گئی ہے۔ ان کے علاوہ وحی اور رسالت سے متعلق بڑی عالمانہ بحث کی گئی ہے۔ کیونکہ ان مباحث کا بھی تخلیق آدم سے گہرا تعلق ہے۔ ہمارے ہاں یہ اصطلاحیں بڑی مانوس ہیں لیکن ان پر ایسے عمدہ طریق سے بحث کی گئی ہے جس میں وضاحت اور تبحر علمی کا حسین امتزاج ہے۔ یہ کتاب قرآن کے طالبان علم کے گہرے مطالعہ کی مستحق ہے۔

معاصر "نوائے وقت" لاہور نیم مارچ کو اپنے کالموں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"ابلیس و آدم" سلسلہ معارف القرآن جلد دوم کا ایڈیشن ہے۔ جو نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ معارف القرآن کی اب تک چار جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ یہ سلسلہ عام تفسیر سے بالکل مختلف ہے۔ اس کا اصول یہ ہے کہ چونکہ قرآن "تصریف آیات" سے اپنا مطلب واضح کرتا ہے۔ اس لئے مخصوص موضوع پر قرآن کی تمام آیات کو یکجا کیا جائے۔ تاکہ اس سے متعلق قرآن کا پورا بیان سامنے آ جائے۔ اور قرآنی تعلیم کا مفہوم متعین کرنے میں آسانی پیدا ہو جائے۔ پرویز نے بڑی عرق ریزی سے ان مجلدات میں بڑا مواد اکٹھا کر دیا ہے۔ دوسری جلد کی

(باقی صفحہ [illegible])

باب المراسلات

چھوٹی موٹی کا ایمان

ایک صاحب لکھتے ہیں کہ آجکل یہاں "بہائی" تحریک بڑے زور شور سے چل رہی ہے۔ بہائی مبلغ علی صاحب، قرآن کی تفسیر سے بہائیت کی تبلیغ و اشاعت کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قیامۃ کے معنی ایک ظہورِ نو کے ہیں۔ اور لکل امۃ اجل کے مطابق امت محمدیہ کی مدت حیات ختم ہو چکی ہے اس کے بعد ہمارے دوست لکھتے ہیں کہ آپ قیامۃ اور آخرت کے متعلق طلوع اسلام میں بہت جلد کچھ لکھئے۔ تاکہ لوگ بہائیت کے اس خطرے سے محفوظ رہ سکیں۔

اس قلبی اضطراب کا احترام کرتے ہوئے جس کے ماتحت یہ خط لکھا گیا اور طلوع اسلام سے یہ تقاضا کیا گیا ہے، ہم ایک اصولی بات پیش خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ طلوع اسلام ایک عرصہ سے قرآن کریم کی تعلیم کو پیش کر رہا ہے۔ قارئین طلوع اسلام بھی ایک عرصہ سے قرآن سے قریب تر ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم پوچھتے یہ ہیں کہ اگر اس سے پہلے نہیں تو کم از کم اس تمام عرصہ میں آپ حضرات نے قرآن کے متعلق کیا اندازہ لگایا ہے؟ کیا یہی اندازہ لگایا ہے؟ کہ یہ کتاب (معاذاللہ) ایک خاص وقت اور خاص احوال میں راہ نمائی دینے کے قابل تھی اور اب اس میں کچھ باقی نہیں رہا؟ کیا آپ نے رسالت محمدیہ کے متعلق یہی سمجھا ہے کہ وہ (نعوذ باللہ) تھوڑے سے عرصہ تک کے لئے زندہ رہ سکنے کے قابل تھی؟ اس کے بعد نیا کے نئے ظہور کی ضرورت پیش آگئی ہے۔ جو شخص قرآن پر غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہے۔ اس کے لئے اس کی بھی ضرورت نہیں کہ اسے کوئی بہائی یہ بتائے کہ قیامۃ کے یہ معنی ہیں۔ یا کوئی مرزائی یہ کہے کہ خاتم النبیین کا یہ مفہوم ہے۔ جب اس نے یہ سمجھ لیا ہے۔ کہ معاذاللہ، قرآن کی راہ نمائی بیکار ہو چکی ہے۔ اور رسالت محمدیہ کا دور ختم ہو چکا ہے۔ تو اسے جہاں سے کوئی اور راہ نمائی مل سکتی ہے حاصل کرے۔ وہ کیوں ابھی تک (بیناہ بخدا) اس فرسودہ مسلک کے ساتھ چمٹا ہوا ہے؟

لیکن اگر آپ کو دل کے پورے اطمینان کے ساتھ علیٰ وجہ البصیرت یہ یقین حاصل ہے کہ قرآن آج بھی اپنے اندر انسانی راہ نمائی کے لئے پورا پورا سامان رکھتا ہے۔ وہ کاروانِ انسانیت کا آج بھی امام بن سکتا ہے۔ وہ زندگی کے ہر مسئلہ کا حل دے سکتا ہے۔ اگر آپ اس عقیدہ کو ایک واقعہ نفس الامری سمجھتے ہیں تو رسالت محمدیہ قیامت تک کے لئے زندہ و پائندہ اور درخشندہ و تابندہ رہے گی۔ تو آپ سوچئے کہ کیا آپ اتنی سی بات پر ایک نئی راہ نمائی کی ضرورت محسوس کرنے لگ جائیں گے اور ایک نئے نبی کی تلاش شروع کر دیں گے کہ کسی بہائی نے یہ کہدیا کہ قیامت کے معنی نیا ظہور ہیں یا کسی مرزائی نے یہ کہدیا کہ خاتم کی ت زیر کے ساتھ ہے۔ جس کے معنی مہر کے ہیں! کیا اتنے میں آپ کا وہ سارا ایقان اور اذعان ختم ہو جائیگا کیا اتنی سی بات سے آپکے ایمان میں لغزش آ جائے گی۔ اور آپ مضطرب و بیقرار ہو کر ادھر ادھر بھاگنے لگ جائیں گے کہ کہیں سے اس مفہوم کی تردید مل جائے۔ ورنہ آپ کا اسلام ختم ہو جائیگا؟ اگر قرآن اور رسالت محمدیہ پر آپ کا ایمان ایسا ہی کمزور ہے تو پھر یقین مانئے کہ لفظ قیامۃ کا صحیح مفہوم یا خاتم کی ت کی زیر زبر کے عنکبوتی سہارے آپ کو کوئی کام نہیں دے سکیں گے

آپکے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ آپ دل کے پورے اطمینان کے ساتھ سمجھ سوچ کر یہ فیصلہ کیجئے کیا قرآن آپ کے لئے کامل اور مکمل راہ نمائی اپنے اندر رکھتا ہے یا نہیں۔ اگر آپ کو اس پر پورا پورا یقین حاصل ہو جاتا ہے تو پھر کوئی بہائی یا مرزائی لاکھ زیروں زبروں کے تانے تنے، آپ اس سے صرف اتنا کہدیجئے کہ مجھے تمہاری ان منطقی موشگافیوں اور لغوی نکات آفرینیوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میرا ایمان ہے کہ قرآن کے بعد دنیا کو کسی اور راہ نمائی کی ضرورت نہیں اور نبی اکرمؐ کے بعد نوع انسانی کے لئے کسی نبی کی حاجت نہیں۔ لہٰذہ اگر تم اپنی سب باتیں (بزعم خویش) ثابت بھی کردو۔ تو بھی مجھ کو کسی نئے ظہور کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ لہٰذا تمہاری گفتگو ہی میرے لئے عبث و بیکار ہے۔ یاد رکھئے بہائیت یا مرزائیت اس لئے لوگوں کو اپنے پیچھے نہیں لگا لیتیں کہ ان کے دلائل محکم ہوتے ہیں۔ ان کے پیچھے صرف وہ لوگ لگتے ہیں۔ جن کا قرآن کی ابدیت اور رسالت محمدیہ کی سرمدیت پر ایمان محکم نہیں ہوتا۔ جس کا ان پر ایمان محکم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہہ کر اس بحث کو آگے ہی نہیں چلنے دیتا کہ "میرے نزدیک ختم نبوت کے سوال پر گفتگو کرنا ہی کمزوریٔ ایمان کی نشانی ہے"۔

اس کی وضاحت ایک مثال سے یوں ہو سکتی ہے۔ فرض کیجئے کہ کوئی صاحب آپ سے آکر کہتے ہیں کہ دیکھئے قرآن کی فلاں آیت کا مفہوم یہ ہے کہ خدا ایک نہیں دو ہیں یا دو ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی فرض کیجئے کہ اس کی دلیل میں وہ صرف دعوے کے ایسے قاعدے پیش کرتا ہے جس کا آپکے پاس جواب نہیں۔ تو کیا اس صورت میں آپکا قرآن پر ایمان ختم ہو جائے گا۔ اور آپ قدم اول پر ہی یہ مان لیجئے گا کہ خدا دو ہیں اور وحدانیت کا تصور غلط ہے۔ اگر قرآن پر آپ کا ایمان علیٰ وجہ البصیرت ہے تو آپ کا ردِ عمل یہ ہوگا کہ یہ ٹھیک ہے کہ آپ نے اس آیت کی یہ توجیہ بیان کی اور اس کے حق میں جو دلیل دی اس کا ہمارے پاس جواب نہیں لیکن چونکہ قرآن کی تعلیمات کی اساس وحدانیت پر ہے۔ اس لئے ہم یہ ماننے سے انکار کرتے ہیں کہ قرآن کی کسی آیت سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ خدا ایک سے زیادہ ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نہ نکالئے کہ آپ کا ایمان اندھا دھند ہونا چاہیئے۔ اور اس میں کسی معقول بات سننے کی گنجائش نہ ہونی چاہیئے۔ بلکہ آپ کا ایمان اتنا محکم ہونا چاہیئے کہ وہ پہلے حملے میں ختم نہ ہو جائے جہاں تک اعتراض کا تعلق ہے آپ ہم سے پوچھئے کہ یہ اعتراض ہمارے سامنے آیا ہے۔ اور ہم اس کا جواب نہیں دے پائے۔ آپ سمجھائیے کہ حقیقت کیا ہے۔

لہٰذہ آپ ہم سے یہ پوچھئے (اور ہزار بار پوچھئے) کہ قرآن کی راہ نمائی کس طرح کامل اور مکمل ہے۔ ہم اپنی بصیرت کے مطابق آپ کو سمجھانے کی کوشش کریں گے۔ آپ یہ پوچھئے کہ زندگی کے فلاں عقدہ کا حل قرآن نے کیا پیش کیا ہے۔ ہم بتلانے کی سعی کریں گے۔ لیکن یہ نہ کیجئے کہ جہاں کسی بہائی نے کہدیا کہ قیامت کے یہ معنی ہیں۔ یا کسی مرزائی نے کہدیا کہ خاتم ت۔ کی زیر کے ساتھ ہے۔ اور آپ سراسیمہ ہو کر بھاگ اٹھے کہ خدارا ہمارا ایمان بچائیے۔ قرآن کا دامن ہمارے ہاتھ سے چھوٹا جا رہا ہے۔ یہ ایمان نہیں بچوں کا غبارہ ہے۔ جو ذرا سی ٹھیس لگ جانے سے پھٹ جایا کرتا ہے۔ (مزید تفصیل آئندہ اشاعت میں)

"ثقافت" کے چند نکات

ایک صاحب ملتان سے لکھتے ہیں کہ میں نے ماہنامہ "ثقافت" طلوع اسلام کے تعارف سے دیکھا اس کی مارچ کی اشاعت میں دو چار باتیں ایسی نظر آئی ہیں جن کی وضاحت آپ سے کرانی ضروری سمجھی ہے۔ آپ شاید کہدیں گے کہ "ثقافت" کے نکات کی وضاحت انہی سے کرانی چاہیئے۔ لیکن باتیں ایسی ہیں کہ جن کی وضاحت آپ سے ہی کرائی جا سکتی ہے وہ نکات یہ ہیں۔

(۱) ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب نے "رومی کے تصورِ قوام" کے عنوان سے جو مضمون لکھا ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں۔ کہ "انسان کے لئے اہم ترین علم اپنی حقیقت کا عرفان ہے۔ اور دین کا مقصود آخری اور غایت عرفان خدا کا عرفان ہے لیکن خدا کا عرفان خود اپنے نفس کے ساتھ اس طرح وابستہ ہے کہ عارفوں کا مقولہ ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کیا یہ بات قرآن کے مطابق ہے؟

طلوع اسلام یہ خالص تصوف کی تعلیم ہے جس کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں۔ خدا کا عرفان تو خیر بہت بڑی بات ہے۔ قرآن تو نفسِ انسانی کے عرفان کا بھی کہیں مطالبہ نہیں کرتا۔ وہ نفسِ انسانی پر غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے (جس طرح وہ کائناتی شواہد پر تدبر و تفکر کی دعوت دیتا ہے) لیکن "معرفت" اور غور و فکر کے بعد کسی شے کے متعلق علم حاصل کرنے میں جو فرق ہے۔ وہ بالکل واضح ہے باقی رہی خدا کی ذات۔ سو قرآن اس پر ایمان کا مطالبہ کرتا ہے اس کے عرفان کا نہیں۔ خدا اس سے بہت بلند ہے کہ انسان اس کی ذات کی حقیقت و ماہیت جان اور پہچان سکے لہٰذا دین کا مقصود خدا کا عرفان نہیں۔

(۲) محمد جعفر صاحب پھلواری نے تعدد ازدواج کے متعلق بعینہ وہی کچھ لکھا ہے۔ جو طلوع اسلام کہتا آ رہا ہے یعنی انھوں نے کہا ہے کہ "سوسائٹی میں جنگ وغیرہ سے بعض واقع ایسے پیدا ہو جاتے ہیں۔ جب کہ بے سہارا تیائی اور بے آسرا ایائی کی کثرت ہو جاتی ہے۔ اور سوسائٹی کا معاشی اور اخلاقی نظام اس سے خاصہ متاثر ہو جاتا ہے۔ سوسائٹی کو ان خرابیوں سے بچانے کے لئے قرآن نے تعدد ازدواج کی اجازت دی

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

عالمِ اسلامی

صدر جمہوریہ ترکیہ نے عراق کا پانچ دن کا دورہ ختم کرنے کے بعد کہا کہ ترکی عراقی معاہدہ ایک حقیقت بن چکا ہے۔ اس کے حقیقت بننے میں شبہ بھی کیا ہو سکتا ہے۔ دونوں ممالک نے اپنے حالات و واقعات کے مطابق جو بہتر سے بہتر فیصلہ ممکن ہو سکتا تھا کیا ہے۔ انھیں کسی سے دشمنی نہیں۔ نہ کسی کی مخالفت مقصود ہے بلکہ اپنے بچاؤ اور تحفظ امن کے لئے انھوں نے اپنے آپ کو متحد و مستحکم کے عملی ذرائع کو بروئے کار لانے کا عہد کیا ہے۔ اس کے برعکس مصر اس معاہدے کو ناکام بنانے پر ادھار کھائے بیٹھا ہے۔ اس نے شام پر دباؤ ڈال کر ایک نام نہاد دفاعی معاہدے کی داغ بیل ڈال دی ہے۔ اس کے لئے اس نے سعودی عرب اور یمن کی بھی تائید حاصل کر لی ہے۔ یہ معاہدہ اس مشترکہ دفاعی معاہدے کی بجائے کیا جا رہا ہے۔ جو ۱۹۵۰ء میں عرب لیگ نے طے کیا تھا۔ لیکن جو آج تک معرض عمل میں نہیں آ سکا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو معاہدہ باہمی رضامندی سے بہتر حالات میں طے ہوا تھا۔ وہ پانچ سال تک شرمندۂ عمل نہیں ہو سکا تو یہ معاہدہ جو محض ضد میں آ کر کیا جا رہا ہے۔ اور جسے تمام عرب ملکوں کی تائید بھی حاصل نہیں کیسے کامیاب یا کم از کم قابل عمل ہو سکیگا۔

اس معاہدے کی تفاصیل باقاعدہ طور پر شائع نہیں ہوئیں۔ لیکن بار بار کہا گیا ہے کہ اس معاہدے کا مقصد ترکی عراقی معاہدے کی مخالفت ہے۔ اس لئے اس میں یہ شرط رکھی گئی ہے کہ تمام ممالک کی رضامندی کے بغیر کوئی ایک ملک کسی غیر ملک سے معاہدہ نہیں کر سکیگا۔ گویا اس کی اساس ایجابی نہیں محض سلبی ہے۔ مصری وزیر میجر صلاح سالم نے انفرادی طور پر اس کے حق میں فضا سازگار کرنے کی جو کوشش کی ہے۔ اس میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہو سکی۔ وہ ممالک عربیہ کا دورہ کر چکے ہیں لیکن سعودی عربیہ اور یمن ہی سے مطلوبہ تائید حاصل ہو سکی ہے۔ کہیں اور سے نہیں۔ لبنان کی کوشش شروع ہی سے یہ رہی ہے کہ وہ عربی ممالک کو منتشر ہونے سے بچائے۔ چنانچہ وہ مصالحت ہی کی کوشش کرتا رہا ہے۔ اور اب بھی کر رہا ہے۔ اردن نے دعوت شرکت کے جواب میں غور کرنے کے لئے مہلت مانگی ہے۔

خاطر خواہ کامیابی نہ ہونے پر مصر نے عرب لیگ سے درخواست کی ہے کہ وہ تمام وزرائے اعظم کی کانفرنس طلب کرے۔ اس سے پہلے مصر نے اپنی طرف سے وزرائے اعظم کی کانفرنس طلب کی تھی اس کانفرنس کا یہ حال تھا کہ اس کے خاتمے پر ایک مشترکہ اعلان بھی شائع نہیں ہو سکا تھا کیونکہ اس میں نہ محض اتفاق و اتحاد کی فضا مفقود تھی بلکہ شرکاء مشترک اعلامیہ کے الفاظ پر بھی اتفاق نہیں کر سکے تھے۔ ایسی کانفرنس آئندہ منعقد ہوگی تو اس کا جو حشر ہو سکتا ہے۔ وہ ظاہر ہے۔

مصر نے شام کو معاہدے پر ہی مجبور نہیں کیا۔ بلکہ اسے ہندوستان کی غیر جانبدار پالیسی پر بھی رضامند کر لیا ہے۔ اب کرنل ناصر بندونگ کی ایشیائی افریقی کانفرنس کی شرکت کے لئے ملک سے نکلیں گے تو واپسی پر افغانستان بھی جائیں گے۔ ادھر یہ خبر آئی ہے کہ پنڈت نہرو ایران کا دورہ کرنے کی سوچ رہے ہیں۔ گویا مصر جس محور کی تخلیق کا باعث ہو رہا ہے۔ اس کا مرکز ہندوستان ہے۔ ہندوستان نے آج تک ممالک مسلم کو متحد ہونے سے روکا ہے۔ اور چونکہ اس اتحاد کا داعی پاکستان ہے۔ اس لئے اس نے بڑی دوڑ دھوپ سے جگہ جگہ پاکستان کے خلاف فضا تیار کی ہے۔ اس نے مصر میں ایسا ہی کیا اور افغانستان میں بھی۔ اب ایران میں یہی کوشش ہو گی۔ کرنل ناصر کا افغانستان اور پنڈت نہرو کا ایران جانا اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں

کرنل ناصر اگلے ماہ پاکستان آ رہے ہیں۔ یہ دورہ افہام و تفہیم کے لئے مفید ثابت ہو سکتا ہے لیکن ان کی سابقہ روش کے پیش نظر ان سے کچھ زیادہ امیدیں وابستہ نہیں کی جا سکتیں مصر نے اپنی مساعی کی بنیاد "عربیت" پر رکھی ہے۔ اور اس کے زور پر وہ مصری قیادت کا راستہ صاف کر رہا ہے۔ گویا مصر کے داعیات نسلی بھی ہیں اور ذاتی بھی۔ ظاہر ہے کہ ان بنیادوں پر وحدت کی کوئی مضبوط عمارت نہیں اٹھ سکتی۔ کیونکہ اس کی تعمیر ہی میں خرابی کی صورت مضمر ہے یہ داعیات منشائے اسلام کے خلاف تو تھے ہی مصلحت اور تقاضائے وقت کے بھی خلاف ہیں۔ خدا کرے کرنل ناصر کے ہندوستان آنے پر ان سے کوئی کہہ سکے کہ

[illegible]

بین الاقوامی جائزہ

فارموسا کے متعلق جو سلسلہ جنبانی ہو رہی تھی اس سے ابھی تک کچھ نتیجہ برآمد نہیں ہوا قیاس غالب یہی ہے کہ سرخ چین نے مفاہمت کی جملہ صورتوں کو ٹھکرا دیا ہے۔ برطانیہ ان مساعی میں پیش پیش تھا۔ مگر وہ بھی اب مایوس سا نظر آتا ہے۔ سر انتھنی ایڈن نے پارلیمان میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ فارموسا کے تصفیہ کے لئے جس اعلیٰ کانفرنس کی تیاریاں ہو رہی تھیں اس کی شرائط پوری نہیں ہوئیں انھوں نے یہ بھی کہا کہ اگر التوائے جنگ ہو جائے تو چین کی رکنیت اقوام متحدہ اور فارموسا کے مستقبل کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ مفاہمت کی کوششیں بار آور نہیں ہو سکیں۔

اسی قسم کا اندازہ مسٹر ڈلیز کے بیانات سے بھی ہوتا ہے۔ بنکاک کانفرنس سے واپس آ کر انھوں نے ایک سے زیادہ مرتبہ سرخ چین کو متنبہ کرنا ضروری سمجھا ہے کہ اگر اس نے مسلح جارحیت کا ثبوت دیا تو اس کا نتیجہ عمومی جنگ کی صورت میں نکل سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ امریکہ کے مشرق بعید کے ماہرین نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ اس علاقہ میں چند ہفتوں میں لڑائی کا امکان ہو سکتا ہے اور اگر لڑائی شروع ہوئی تو وہ عالمگیر ہو سکیگی۔ نیز اس میں امریکہ ایٹمی اسلحہ بھی استعمال کر سکتا ہے۔ ایسا ہوگا یا نہیں۔ اس کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ حالات کی رفتار تشویشناک ہے۔ اس وقت سرخ چین کی نظر میں ساحلی جزائر کیمائے اور متسو پر ہیں۔ ان پر متعدد حملے ہو چکے ہیں۔ برطانیہ ان جزائر کی مدافعت کے حق میں نہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ انہیں سرخ چین کے سپرد کر دیا جائے۔ اور اس کے معاوضہ میں التوائے جنگ حاصل کی جائے۔ امریکہ بھی ان جزائر کو نیشنلسٹ چین کے قبضے میں دینے کا چنداں متمنی نہیں لیکن وہ یہ ضمانت چاہتا ہے کہ چین ان کو حاصل کر کے انھیں فارموسا پر حملے کا ذریعہ نہ بنا سکے۔ امریکہ نے ہر چند صاف طور پر ان جزائر کے تحفظ کا واضح اعلان نہیں کیا اس کی طرف سے ایسے بیانات ضرور آ رہے ہیں جن سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ ان جزائر کی خاطر بھی سرخ چین کا ہاتھ روکنے کے لئے تیار ہو سکتا ہے۔ ابھی حال ہی میں امریکی کانگریس نے صدر آئزن ہاور کو اختیار دیا ہے کہ وہ فارموسا اور پیسکیڈوریز کو بچانے کے لئے اپنی فوجیں استعمال کر سکتے ہیں۔ اس اختیار کی یہ وضاحت ابھی تک نہیں ہوئی کہ اس بچاؤ کے لئے کیمائے اور متسو ضروری ہیں یا نہیں۔ ڈلیز نے اپنے تازہ بیان میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ گو فوجوں کے استعمال کا فیصلہ صدر کے اختیار میں ہے لیکن صدر کو جو اختیار کانگریس نے دیا ہے اس کا دائرہ فارموسا اور پیسکیڈوریز تک محدود نہیں۔ گویا یہ گنجائش پائی جاتی ہے کہ امریکہ کیمائے اور متسو کی بھی مدافعت کرے بشرطیکہ وہ انھیں فارموسا کے تحفظ کے لئے ضروری سمجھے۔

یہ انتباہ اپنی جگہ بجا۔ لیکن امریکہ دراصل یہی ضمانت چاہتا ہے کہ سرخ چین آگے نہ بڑھ سکے چین اس قسم کی ضمانت دینے کے لئے آمادہ نظر نہیں آتا۔ تو پھر کیا ہوگا؟ کیا سرخ چین نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر جنگ کی طرح ڈالے گا؟ ایڈن نے کہا ہے کہ طاقت کے استعمال کا فیصلہ چین پر منحصر ہے۔ ڈلیز نے کہا ہے کہ اگر چین نے طاقت کا استعمال کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ امریکہ کی دھمکیوں سے متاثر نہیں ہوا۔ اور یہ کہ وہ عمومی جنگ کی ذمہ داری لینے کے لئے تیار ہے۔ بظاہر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سرخ چین اس کی ذمہ داری لے گا۔ اس کے باوصف تیاریاں تیزی سے ہو رہی ہیں۔ چین کو روس کی طرف سے جنگی امداد مل رہی ہے اور چین کیمائے اور متسو پر حملے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ بلکہ کوئی ہفتے بھر کی خاموشی کے بعد اس نے ایک آدھ حملہ کیا ہے۔ موسم کے مطابق اس قسم کے حملوں کا مناسب وقت اپریل کا مہینہ ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ اپریل میں دو چینیوں کے درمیان جنگ تیز تر نہ ہو سکے کیونکہ اپریل میں بندونگ (انڈونیشیا) کے مقام پر ایشیائی افریقی کانفرنس منعقد ہو رہی ہے۔ چین اس کانفرنس کو خاص طور پر مفید مطلب بنانا چاہتا ہے۔ اور شریک ممالک کی ہمدردیاں حاصل کرنا چاہتا ہے۔ فی الحال اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس سے مشرق بعید میں امن کی فضا زیادہ دیر تک قائم رہ سکے گی۔

حقائق و عبر

حضرت مرزا صاحب مرزا بشیر الدین محمود امیر جماعت احمدیہ نے اپنی جماعت کے اخبار الفضل کی تعریف کرتے ہوئے سالانہ جلسہ میں ایک تقریر میں فرمایا کہ اس اخبار کا پایہ اتنا بلند ہے کہ جب مولانا ابو الکلام آزاد جیل میں تھے۔ اور حکومت نے ان سے کہا کہ انھیں صرف ایک اخبار منگانے کی اجازت ہے۔ تو انھوں نے کہا کہ مجھے الفضل منگا دیجئے۔

جب ہم نے (صدق لکھنؤ میں) یہ خبر پڑھی۔ تو ہم ایک طرف تو الفضل کو دیکھتے تھے اور دوسری طرف ابو الکلام صاحب آزاد کو۔ اور پھر دونوں کو چھوڑ کر حضرت مرزا صاحب کو۔ اور حیران تھے کہ ان میں سے کسے کیا کہیں! بارے ہمارا یہ سکتہ کا عالم زیادہ دیر تک نہ رہا۔ کیونکہ اس کے بعد مولانا آزاد کے پرائیویٹ سکریٹری محمد اجمل خاں صاحب کا ذیل کا مکتوب اسی اخبار (صدق بابت ۱۱ر فروری ۱۹۵۵ء) میں ہمارے سامنے آ گیا۔ وہ اپنے خط میں لکھتے ہیں۔

> یہ پڑھ کر میں نے مولانا سے حقیقت حال دریافت کی۔ انھوں نے فرمایا کہ عمر بھر میں کبھی میں ایسے اخبار کا جس کا نام الفضل ہو۔ پڑھنے والا نہیں رہا ہوں۔ اور یہ واقعہ بھی سرے سے غلط ہے کہ جیل میں مجھے صرف ایک اخبار منگانے کی اجازت دی گئی۔ جب میں رانچی میں قید تھا۔ تو پانچ چھ انگریزی روزانہ اخبار میرے پاس آتے تھے۔ علی پور سنٹرل جیل کلکتہ میں گورنمنٹ کی طرف سے اسٹیٹسمین مجھے ملتا تھا۔ اور امرت بازار پتریکا اور سرونٹ میں منگاتا تھا۔ احمد نگر قلعہ میں ابتدا میں بندش رہی۔ اس کے بعد جب بندش دور ہو گئی۔ تو جتنے اخبار ہم چاہتے تھے۔ وہ برابر ہمارے پاس آتے تھے۔ علاوہ بریں جیل میں ضرورت ہوتی ہے کہ روزانہ اخبارات کا مطالعہ کیا جائے۔ وہاں اردو کے ایک ہفتہ وار یا ماہوار مذہبی پرچہ منگانے کا وہم و گمان بھی کسی کو نہیں ہو سکتا۔ اور وہ بھی قادیان کا۔ افسوس ہے کہ ایک صاحب جو اپنے آپ کو اپنی جماعت کا امیر قرار دیتے ہیں ایسی غلط اور بے پر کی بات اپنی تقریر میں کہتے ہیں۔

مولانا آزاد کا جواب بالکل صاف اور واضح ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ دیکھیں گے کہ مرزائی حضرات اپنے خلیفہ صاحب کو کبھی جھوٹا قرار نہیں دیں گے۔ اور بات ہے بھی ٹھیک مولانا آزاد نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر کہا ہے۔ اور مرزا صاحب نے جو کچھ فرمایا تھا۔ وہ یقیناً وحی اور الہام کی بنا پر فرمایا ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ ایک انسان کی ذاتی معلومات پر مبنی بات خدا کی طرف سے وحی اور الہام کے مقابلہ میں کس طرح سچی ہو سکتی ہے۔

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں جماعت اسلامی کے روزنامہ تسنیم کی ۱۲ر مارچ ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں مولانا نور اللہ النعیمی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ جس کا عنوان ہے۔ "تعدد ازدواج قرآن و سنت کی روشنی میں"۔ اس میں وہ تعدد ازدواج کے حق میں دلائل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> امام حسن مجتبیٰ نے دو سو سے زیادہ عورتوں سے شادیاں کیں۔ یوں کہ کئی مرتبہ چار سے بیک وقت عقد فرماتے۔ اور کئی مرتبہ ایک ہی وقت میں چار کو طلاق دیدیتے اور پھر ان کے عوض اور دوسے شادیاں فرماتے (غزالی احیاء الاسلام جلد ۲ ص ۴) مگر عورتیں تھیں کہ بلا اجبار و اکراہ جوق در جوق حبالۂ عقد میں آنے کی متمنی رہتی تھیں۔ باوجودیکہ امام حسنؓ کی اس عادت مستمرہ سے واقف تھیں۔

یوں تو اس جماعت کے لوگوں سے ان کے مطالب کے خلاف کوئی بات بھی نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی۔ لیکن بعض اوقات ان کی دراز دستیاں اس حد تک پہنچ جاتی ہیں کہ سینے سے بے اختیار چیخ نکل جاتی ہے۔ یہ اسی قسم کی بے اختیار چیخ ہے۔ جس سے مجبور ہو کر ہم ان حضرات سے صرف اس قدر درخواست کرنا چاہتے ہیں کہ اگر آپ لوگوں کے دلوں میں ان بزرگان کرام کا کچھ ۴۴

۴۴ ادب اور لحاظ نہ ہو تو کم از کم ان لوگوں کے جذبات ہی کا کچھ پاس کر لیا کریں۔ جو انھیں واجب الاحترام اور مستحق تعظیم و تکریم سمجھتے ہیں بجائے اس کے کہ تم یہ کہو کہ ہماری تاریخ میں ہمارے بزرگوں کے دشمنوں نے ان کے خلاف کیا کیا چیزیں بھر رکھی ہیں۔ تم انھیں بطور سند پیش کرتے ہو۔ کچھ تو

نقد و نظر

TALKING OF SHAKESPEARE

مرتبہ جان گریٹ۔ شائع کردہ۔ ہاڈر اینڈ سٹاؤٹن، لندن
صفحات ۲۶۴۔ قیمت۔ بیس شلنگ۔

انگریز قوم نے اپنے عظیم ترین ڈرامہ نگار پر بہت کچھ لکھا ہے۔ اتنا کچھ اور ایسا کچھ کہ کہا جاتا ہے کہ اگر شیکسپیئر اب کہیں انگلستان میں آ جائے تو وہ اپنے آپ کو پہچان نہ سکے۔ لیکن یہ سلسلہ ختم نہیں ہو گیا بلکہ دراز تر ہوتا جا رہا ہے۔ زیر نظر کتاب تازہ ترین تالیف ہے۔ جو شیکسپیئر میموریل تھیٹر کی پیشکش ہے۔ یہ میموریل تھیٹر سب سے پہلے ۱۸۷۹ء میں قائم ہوا تھا۔ اور اس کا مقصد شیکسپیئر کی جائے پیدائش سٹریٹ فورڈ آن ایون میں اس کے ڈرامے کھیلنا تھا۔ چنانچہ ہر سال شیکسپیئر کے میلے لگتے ہیں۔ اور ہزاروں تماشائی ڈرامے دیکھنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ اس تھیٹر نے رفتہ رفتہ انگلستان کے اعلیٰ ایکٹروں کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔ یوں بھی انگریز ایکٹر شیکسپیئر کے ڈراموں کو ادا کرنا فخر سمجھتے ہیں۔ اور انہی میں اپنا کمال فن ظاہر کرنے کے متمنی ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس تھیٹر کے پیش کردہ ڈراموں کا کسی اعتبار سے کوئی ملک مقابلہ نہیں کر سکتا۔

انگریزوں کو شیکسپیئر سے جو عشق ہے تھیٹر اس کا مظہر ہے ۱۹۲۵ء میں اتفاق سے اس میں آگ لگ گئی اور جل کر راکھ ہو گیا۔ لیکن عقیدت مندان شیکسپیئر نے اس کے لئے عالمگیر تحریک چلائی۔ اور کوئی ڈھائی لاکھ پونڈ جمع کر لئے۔ اس طرح موجودہ تھیٹر معرض وجود میں آیا جو دنیا بھر میں مشہور ہے۔ اور ہر لحاظ سے بہترین تھیٹر مانا جاتا ہے۔ اس کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کا گذارہ چندے پر نہیں۔ اس کا تمام خرچ ٹکٹوں کی فروخت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے موجودہ ڈائرکٹر کویل چھ سال پہلے اس عہدے پر فائز ہوئے تھے۔ وہ ایک معمولی ایکٹر تھے۔ اور ایسے مشہور بھی نہیں تھے۔ لیکن ان کی یہی تمنا تھی کہ وہ ایک عمدہ ایکٹر بنیں۔ ان کے ذوق و شوق نے اس عرصے میں تھیٹر کی اور اپنی شہرت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ انھوں نے دوسرے ملکوں میں بھی پارٹیاں بھیجنی شروع کر دی ہیں۔ اور اس طرح تھیٹر کا چرچا جگہ جگہ پر ہونا شروع ہو گیا ہے۔

شیکسپیئر کے سالانہ میلوں پر تھیٹر کے ارباب حل و عقد نے دیکھا کہ تماشائی ڈرامے دیکھنے کے ساتھ ساتھ ان کے متعلق سننے کی بھی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اس موقع پر لیکچروں کا بھی انتظام کر دیا۔ اب تھیٹر کی سرگرمیوں کا یہ ایک خوشگوار پہلو ہو گیا ہے۔ زیر نظر کتاب میں ایسے ہی لیکچروں کو جمع کیا گیا ہے۔ اس میں گزشتہ چھ سال کے لیکچروں میں سے گیارہ منتخب لیکچر ہیں جو شیکسپیئر کے متفرق پہلوؤں سے متعلق ہیں۔ یہ لیکچر دینے والے بھی اپنے اپنے شعبے میں خصوصی شہرت کے مالک ہیں۔ اور اپنے قومی ہیرو پر نئے نئے پہلوؤں سے بات کرنا اپنے لئے فخر سمجھتے ہیں۔

یہ مجموعہ پاکستان کے لئے سبق آموز ہے۔ سبق آموز کی بجائے باعث شرم کہا جائے تو زیادہ موزوں ہوگا۔ شیکسپیئر کا جو مرتبہ برطانوی زندگی میں ہے۔ اس سے کہیں زیادہ ہماری زندگی میں اقبال کا مقام ہے۔ اقبال نے پاکستان کا تصور دیا۔ تحریک پاکستان کے لئے ان کی تقدیر بین نگاہ نے قائد اعظم کو منتخب کیا اور یہ بھی بتا دیا کہ اس بے مثل ملک کو کن خطوط پر چلانا چاہیئے۔ ہمیں اس کا اعتراف ہے اور اس کا اظہار صبح و شام کرتے ہیں۔ لیکن ۱۹۳۸ء سے تو کیا ذرا ۱۹۴۷ء سے دیکھئے کہ ہم نے اقبال کے لئے کیا کیا؟ کوئی جماعت نہیں۔ نہ مقامی۔ نہ صوبائی۔ نہ پاکستانی۔ جو جماعتی حیثیت سے فکر اقبال کی وضاحت کرے۔ اور اسے ملک و ملت کے قلوب میں جاگزیں کرے۔ اور انھیں بتائے کہ اس فکر کا سرچشمہ کیا ہے اور اس کی بنیادوں پر رکھا ہوا نظام اس جہنمی دنیا کو کس طرح جنت میں تبدیل کر سکتا ہے۔

ہرگز نہ میرد آنکہ ....

"سر الیگزینڈر فلیمنگ کا نام تاریخ میں محفوظ رہے گا۔ ان کی پنسلین کی ایجاد ان کی بے پایاں استقامت اور ذوقِ تجسس کی مظہر ہے۔ اس ایجاد سے انھوں نے انسانیت پر جو احسان کیا ہے۔ اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا: برطانیہ کے لارڈ ہورڈر نے فلیمنگ کی موت پر ان خیالات کا اظہار کیا ہے۔ دیکھا جائے تو ان میں کچھ بھی مبالغہ نہیں۔ پنسلین کا موجد ان چند عظیم انسانوں میں سے تھا جن کا مقصدِ حیات خدمتِ خلق تھا۔ اور جو ذاتی منافع کو ہمیشہ ٹھکراتے رہے۔ کئی سالوں سے پنسلین دنیا کے کونے کونے میں بڑی بے تکلفی سے استعمال ہو رہی ہے۔ اس نے بلا مبالغہ کروڑوں انسانوں کو قبل از وقت موت سے بچایا ہے۔ اور انھیں نئی اور صحت مند زندگی بخشی ہے۔ فلیمنگ نے محنتِ شاقہ سے پنسلین ایجاد کی اور انسانیت کو بطور تحفہ پیش کر دی۔ اس نے اس کے لئے ایک پائی تک قبول نہیں کی۔

پنسلین کیسے ایجاد ہوئی یہ ایک دلچسپ داستان ہے۔ پچیس سال پہلے ایک روز فلیمنگ اپنی تجربہ گاہ میں کام کر رہے تھے کہ پھپھوندی کا ایک ذرہ کہیں سے ان کی اس طشتری میں آگرا۔ جس میں وہ جراثیم کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ یہ ایک ایسی معمولی چیز تھی کہ اگر نظر انداز ہو جاتی۔ تو کوئی اہم بات نہ ہوتی۔ لیکن فلیمنگ نے خوردبین سے جو دیکھا تو دیکھا کہ جراثیم مرتے جا رہے ہیں۔ وہ اس کے پیچھے ہو لئے اور نئے نئے تجربے شروع کر دیئے۔ وہ تجربے کرتے گئے: تا آنکہ دس سال میں پنسلین تیار ہو گئی۔ فلیمنگ نے یہ نعمت دنیا کو بخش دی اس سے بہتر صلہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ انسان بہتر زندگی گذارنے کے قابل ہو جائیں۔

پنسلین کی ایجاد سے پہلے بعض ایسی دوائیاں ایجاد ہو چکی تھیں۔ جن سے مریض کو بے ہوش کر کے آسانی کے ساتھ عمل جراحت ممکن ہو گیا تھا۔ اسی طرح بعض ایسی دوائیاں بھی معلوم کر لی گئی تھیں جن کے ذریعہ مریض کے بدن کے اس حصہ کو سُن کر دیا جاتا تھا۔ جسے ڈاکٹر چیرنا پھاڑنا چاہتے تھے۔ پنسلین کی ایجاد کے بعد دنیا میں چیر پھاڑ اور انسانی اعضاء کی کانٹ چھانٹ میں بڑی حد تک کمی واقع ہو گئی۔ کیونکہ پنسلین مریض کے بدن میں داخل ہونے کے بعد فوراً ہی اپنا کام شروع کر دیتی ہے۔ اور ان تمام امراض کا داخلی طور پر ازالہ شروع کر دیتی ہے۔ جو جراثیم سے پیدا ہوں

سر الیگزینڈر فلیمنگ برطانیہ میں ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم طب کی نہیں تھی کوئی بیس سال کی عمر میں انھیں طب پڑھنے کا خیال آیا اور ادھر متوجہ ہو گئے۔ ان کا طالب علمی کا زمانہ بڑا عمدہ گذرا۔ اور انھوں نے بڑے انعامات اور تمغے حاصل کئے۔ ۱۹۰۸ء میں وہ فارغ التحصیل ہوئے اور ایک سال بعد رائل کالج آف سرجنز کے فیلو بن گئے۔ انھوں نے سینٹ میریز ہاسپٹل میں کام کرنا شروع کیا جہاں سر آمرو تھ رائٹ ٹیکوں سے علاج کی بنا ڈال چکے تھے۔ پہلی لڑائی کے دوران میں آپ زخمیوں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ اس سے انھیں خراب اور زہریلے زخموں کے مطالعہ کا خصوصی موقعہ مل گیا۔ ان کی یہ دلچسپی بعد از جنگ بھی باقی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ پھپھوندی کے ایک حقیر ذرے نے ان کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کر لیا۔ ورنہ ایسے ذرے تو اکثر و بیشتر گرتے پڑتے رہتے ہیں۔ اور عام آدمی تو کیا اچھے خاصے تجربے کرنے والے بھی ان سے بے خبر رہتے ہیں۔

جب ۱۹۴۷ء میں سر آمرو تھ رائٹ کا انتقال ہوا تو فلیمنگ ان کی جگہ مقرر ہوئے۔ وہ مرتے وقت بھی اسی رائٹ فلیمنگ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر تھے اور انفلوئنزا کے جراثیم کی تحقیقات میں منہمک تھے۔ فلیمنگ کی نگاہ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب لندن کے اخبار "سنڈے گرافک" کے نمائندے نے ان کی موت سے چند دن پیشتر ملاقات کی تو انھوں نے دوران گفتگو میں فرمایا۔

"ایٹم کو توڑنا آسان ہے۔ مگر معمولی زکام کا علاج کرنا مشکل ہے"۔

انھوں نے سائنسی ترقی کے دو پہلوؤں کا مقابلہ کرتے ہوئے کہا کہ ہائیڈروجن بم کے باوجود انسانیت کے لئے بہتر وقت آ رہا ہے۔ فلیمنگ کی نگاہ آنیوالے دور کا یہی نقشہ پیش کر سکتی تھی ایسے لوگوں کا وجود اس کا ثبوت ہے۔ کہ انسانیت کا مستقبل بہتر ہوگا۔ ڈاکٹر فلیمنگ میں کردار کی جو بلندی ملتی ہے۔ وہ محض کائناتی قوانین پر غور کرنے کا نتیجہ ہے۔ لیکن اگر اس کے ساتھ وحی کی روشنی بھی شامل ہو جائے تو پھر دیکھئے کہ انسانیت کا درجہ کس قدر بلند ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں اس قسم کے افراد اس معاشرہ کو بھی بدل ڈالتے ہیں۔ جو سائنس کی ایجادات کو انسانوں کی تباہی کے لئے صرف کرتا ہے اور دنیا کو جہنم بنا دیتا ہے۔

مطبوعات طلوع اسلام

معراجِ انسانیت — از پرویز۔ سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرورِ کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ۔ مضبوط و حسین جلد مع گرد پوش
قیمت بیس روپے

ابلیس و آدم — از پرویز۔ سلسلۂ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق۔ قصۂ آدم۔ ابلیس۔ جنات۔ ملائکہ۔ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۲۷۲ صفحات
قیمت آٹھ روپے

قرآنی دستور پاکستان — اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت۔ علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ ۲۲۴ صفحات
قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام — اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۱۴۸ صفحات
قیمت دو روپے

سلیم کے نام — از پرویز۔ نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں ان کا شگفتہ، مدلل اور اچھوتا جواب۔ بڑے سائز کے ۴۲۵ صفحات
قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے — روزمرہ کی زندگی کے ساٹھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث ۴۰۰ صفحات
قیمت چار روپے

اسبابِ زوالِ امت — از پرویز۔ مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا۔ ۱۵۰ صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے — ایسے عنوانات جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر۔ سات سالہ دور آزادی کی سمٹی ہوئی تاریخ۔ ۲۵۶ صفحات
قیمت دو روپے آٹھ آنے

مزاج شناسِ رسول — یہ کون بتائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناسِ رسول! مزاج شناس کون ہیں؟ اس کی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۰۸ صفحات
قیمت چار روپے

مقامِ حدیث — حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یکجا نہیں ملیں گی۔ دو جلدیں۔ ہر جلد کے قریباً چار سو صفحات اور قیمت
فی جلد چار روپے

فردوسِ گم گشتہ — از پرویز۔ ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف ۴۱۶ صفحات
قیمت چھ روپے

نوادرات — از علامہ اسلم جیراجپوری۔ علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ چار سو صفحات
قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت — (از پرویز) مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینہ میں۔ صفحات ۱۹۲ قیمت دو روپے

نوٹ:۔ تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ ادارۂ طلوع اسلام پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ کراچی

مجلس اقبال

(صفحہ سے آگے)

اعتقاد بھی ہو کہ اس کلام کے قائل اکابر صوفیہ اور مشائخ کرام ہیں، جن کی تمام عمر حقائق اور معارف کے بیان کرنے میں گزری ہے اور جن کا شعر شریعت کا لُبِّ لُباب اور طریقت کا رہنما اور عالم لاہوت کی آواز ہے تو یہ مضامین اور بھی زیادہ دل نشین ہوتے ہیں

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

خواجہ حافظ کی غزل کی ممارست اور مزاولت سے بیشک ابرار و احرار کے دلوں میں دنیا کی بے ثباتی اور توکل و استغنا و قناعت کا پختہ خیال پیدا ہوتا ہے اور اوباش ذوالہواؤں کو بے فکری، ناعاقبت اندیشی، عشق بازی، بدنامی و رسوائی کی ترغیب ہوتی ہے، اور قوم کی موجودہ حالت کے لحاظ سے پہلی تاثیر بھی دیسی ہی خانہ برانداز اور خانماں سوز ہے جیسی دوسری۔

ہم نے خود اپنی تصنیف "حیات حافظ" میں ان راویوں (رائیوں) کو نقل کیا ہے اور ان کا جواب بھی دیا ہے، لیکن ہمارے جواب کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ "حسن کا معیار یہی ہے کہ وہ کمال درجہ کا دلکش ہو عشاق کی رسوائی سے حسن برا نہیں قرار پا سکتا۔ باقی حافظ کی غزل کے ان اثرات سے جو مولانا حالی نے لکھے ہیں کون انکار کر سکتا ہے: بیشک یہاں تک ہم پیرزادہ صاحب کے ساتھ ہیں کہ

الا دب پیمانہ بر مستاں مزن
شیشۂ خود بر سر سنداں مزن
در گذر از بادہ خوار اے محتسب
مست را معذور دار اے محتسب

مولانا حکیم فیروز الدین صاحب طغرائی نے ڈاکٹر صاحب کے جواب میں جو رسالہ لسان الغیب کے نام سے شائع کیا ہے اس میں جو پہلو جواب کا اختیار کیا ہے وہ "سوال از آسماں و جواب از ریسماں" کا مصداق ہے۔ شعراء اور تذکرہ نگاروں نے کلام حافظ کی جو مدح کی ہے وہ شاعری اور صوفیانہ رموز کے لحاظ سے ہے، اور ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ کلام کی ان خوبیوں کو ڈاکٹر صاحب بہ نسبت حکیم صاحب موصوف کے زیادہ سمجھتے ہیں۔ بحث جو کچھ ہے وہ اُن اثرات کے متعلق ہے جو خواجہ صاحب کے کلام سے جذبات پر پڑتے ہیں۔ اس لئے اُن محامد و مدائح کا نقل کر دینا جو ڈاکٹر صاحب کے بھی پیش نظر ہیں جواب کے لئے کافی نہیں ہو سکتا۔

باب المراسلات

(صفحہ ۱۳ سے آگے)

ہے۔ لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ اگر کسی کے ہاں اولاد نہ ہو۔ تو بھی اسے دوسری شادی کی اجازت دینی چاہیئے یہ چیز سمجھ میں نہیں آتی۔

طلوع اسلام اس میں شبہ نہیں کہ قرآن اصولی احکام دیتا ہے جن کی روشنی میں ہم جزئی احکام خود مرتب کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ جزئی احکام قرآنی اصولوں ہی پر متفرع ہونے چاہئیں۔ قرآن نے اس کی صراحت کر دی ہے کہ تعدد ازدواج یتامیٰ اور ایامیٰ کی کثرت کے مسئلہ کے حل کے لئے ہے۔ اس سے یہ جزئیہ مرتب کرنا کہ اگر کسی کے ہاں اولاد نہ ہوتی ہو تو بھی اسے تعدادِ ازدواج کی اجازت ہونی چاہیئے۔ قرآنی اصول سے ہٹی ہوئی بات ہے۔ یہ شکل ایسی نہیں جو زمانہ نزول قرآن میں موجود نہ تھی اور اب پیدا ہوئی ہے۔ اگر قرآن بے اولادوں کو بھی تعدد ازدواج کے لئے ضروری وجہ سمجھتا۔ تو وہ اس کا ذکر کر دیتا۔ اس نے فقط ایک ہی شکل کا ذکر کیا ہے۔ اور ہماری قیاسی جزئیات اس اصل پر متفرع ہونی چاہئیں۔ شروع شروع میں اس قسم کے قیاسات ہی تو تھے۔ جنہوں نے بعد میں قرآن کے علی الرغم چار چار بیویوں کے جواز کے دروازے چوپٹ کھول دیئے

(۳) ایک سوال کے جواب میں یہ لکھا گیا ہے کہ "م جکل یہ فیشن چل پڑا ہے کہ جو لچر باتیں اسلام کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں۔ ان کو "سازش عجم" سے یاد کیا جاتا ہے۔ اگر سازش عجم کا لفظ غیر قرآنی باتوں کے لئے بطور اصطلاح بولا جائے تو پھر اور بات ہے۔ ورنہ سازش عجم نے دین کو جتنا نقصان پہنچایا ہے۔ اس سے کم سازش عرب نے نہیں پہنچایا۔" چونکہ سازش عجم کی اصطلاح طلوع اسلام میں عام طور پر استعمال ہوتی ہے۔ اس لئے آپ وضاحت فرما دیجئے کہ اس سے آپ کا مفہوم کیا ہوتا ہے۔

طلوع اسلام طلوع اسلام میں یہ اصطلاح غیر قرآنی تصورات کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ اس اصطلاح کو ہمارے ہاں پہلے پہل علامہ اقبال نے رائج کیا تھا۔ اور ان کا مطلب بھی غیر قرآنی تصورات و نظریات ہی سے تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ غیر قرآنی تصورات کو اختیار اور عام کرنے میں عربوں نے بھی بہت کچھ کیا۔ لیکن چونکہ ان تصورات کی ابتدا اور درآمد عجمیوں ہی کے ہاتھوں سے ہوئی تھی۔ اس لئے علامہ اقبال نے اسے "عجمی سازش" سے تعبیر کیا تھا۔ یہ غیر قرآنی تصورات عربوں کے اپنے پیدا کردہ نہیں تھے۔ عجمیوں ہی کی فکر اور مسلک کا نتیجہ تھے۔ یہ ایک تاریخی سوال ہے۔ جس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔ طلوع اسلام میں بہر حال یہ اصطلاح غیر قرآنی تصورات کے لئے استعمال ہوتی ہے۔

ابلیس و آدم

(صفحہ ۱۳ سے آگے)

اب نظر ثانی کے بعد جلد اول قرار دیا گیا ہے بڑے اہم موضوعات کی حامل ہے۔ مثلاً اس میں انسانی تخلیق کے نظریہ ارتقاء پر قرآن کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔ اور قصہ آدم کا مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ صاحب کتاب کو قرآن پر بہت عبور حاصل ہے ان کی بحث بڑی معلومات افزا اور فکر انگیز ہے۔ قصہ آدم کی تعبیر فکر و نظر کی نئی راہیں کھولتی ہے عام اس سے کہ صاحب کتاب کے نتائج سے اتفاق کیا جائے یا نہ۔ قرآنی نظریہ ارتقاء پر بحث کے ساتھ اس کا ڈارون کے معروف نظریہ ارتقاء سے بھی تقابل کیا گیا ہے۔ اسی سلسلہ میں شیطان، جنات، ملائکہ وغیرہ پر بھی بحث آ گئی ہے اس کے بعد وحی اور رسالت سے متعلق بحث آتی ہے۔ ایک حد تک بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ وحی اور رسالت ایسے نازک مسائل سے متعلق شاید ہی ایسی اچھوتی بحث اس سے پہلے ہمارے مذہبی لٹریچر میں کی گئی ہوگی۔

اس دور میں جب کہ زندگی کا مادی نظریہ مٹتا جا رہا ہے نیز اس حال میں کہ پاکستان اسلامی اساس پر معاشرے کی تشکیل کرنے کی سوچ رہا ہے۔ یہ کتاب ارباب فکر و نظر کے

معرکہ سندھ

دریائے سندھ مغربی پاکستان کی خشک رگوں میں صدیوں سے زندگی کا خون بن کر دوڑتا چلا آ رہا ہے۔ اور یہ رخ بدل بدل کر وادی سندھ کی تاریخ کے رخ بدلتا رہتا ہے۔ اس کے کنارے بسنے والے انسان ہزاروں سال سے اس کی موجوں سے دست و گریباں رہے ہیں۔ وہ انکی بستیوں اور ان کی تہذیبوں کو نگل جاتی رہیں انسان و آب کا یہ تاریخی معرکہ آج ایک نئے دور میں داخل ہو رہا ہے وہ دور جس میں بپھرا ہوا سندھ اپنی بیش بہا مٹی اور زرریز پانی کو بحیرۂ عرب کی اتھاہ گہرائیوں میں جھونک نہیں دیگا بلکہ آس پاس کے بے آب و گیاہ صحراؤں پر نچھاور کر کے انھیں لہلہاتے ہوئے کھیتوں میں تبدیل کر دے گا۔

یہ معرکہ بڑی مشکل سے سر ہوا ہے۔ اس کا قدم اول سکھر بند کی تعمیر تھا۔ وہاں چند سالوں میں تیس کروڑ روپے سندھ کی بھینٹ چڑھا دیئے گئے۔ سندھ کا غریب علاقہ اس بار سے خود بھی ڈوبتا نظر آیا۔ لیکن نہیں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں سندھ کا سارا قرض ادا ہو گیا۔ اور یہ صوبہ فاضل میزانیہ کا صوبہ ہو گیا۔ سکھر کے بعد دوسرا قدم کوٹری کا بند ہے۔ جو انسانی عزم و ہمت کا مجرد آہن کا مجسمہ ہے۔ یہ نیا بند جس کی رسم افتتاح گورنر جنرل نے ۱۵ مارچ کو ادا کی ۲۸ لاکھ ایکڑ زمین کو سیراب کرے گا۔ اس میں سے کوئی ۱۷ لاکھ ایکڑ زمین پہلی مرتبہ زیر کاشت آئیگی۔ جونہی یہ مکمل ہو کر پورا کام کرنا شروع کر دے گا۔ متعلقہ علاقوں (حیدر آباد، ٹھٹھہ اور دادو) کی موجودہ فصل ایک لاکھ اناسی ہزار ٹن سے بڑھ کر سات لاکھ پچاس ہزار ٹن ہو جائیگی۔ یہ سندھ کے ہی نہیں مغربی پاکستان کی خوراک کے مسئلہ کا تسلی بخش حل ہے۔

خوراک کی پیداوار کوٹری بند کا ایک پہلو ہے۔ اس سے جو نہریں نکلیں گی۔ ان میں سے ایک کالدی نامی سے ایک جھیل بنائی جا رہی ہے جو بیس میل لمبی ہو گی اور رقبے میں ۴۵ مربع میل۔ اس سے پن بجلی پیدا کی جائیگی۔ جس کا تخمینہ دس کروڑ ستر لاکھ کلوواٹ سالانہ ہے جب یہ منصوبہ معرض عمل میں آ جائیگا تو پاکستان کو تیل اور کوئلہ کی کمی کا احساس نہیں ہو گا۔ اور صنعتی ترقی کے لئے راستہ بالکل صاف ہو جائیگا۔ اس جھیل سے کراچی کو پانی بھی مہیا کیا جائیگا۔

عملاً کوٹری کا بند بھی سکھر کے بند کا نمونہ ہے۔ اس کا پل کوئی ۴۸ فٹ اونچا ہے اور سڑک کی چوڑائی ۲۴ فٹ ہے۔ سڑک کے دونوں طرف پیدل چلنے کے لئے پٹڑیاں ہیں یہ کام نومبر ۱۹۴۶ء میں شروع کیا گیا تھا۔ حکومت سندھ نے اس کے افتتاح پر مونگ پھلی کا اعلان کیا ہے۔ اہمیت اور افادیت کے اعتبار سے یہ دن اس سے کہیں زیادہ قدر و منزلت کا مستحق ہے اس کارنامے پر جس قدر بھی فخر کیا جائے کم ہے یہ ہیں وہ اعمال جو ماینفع الناس کے مصداق آنیوالوں کے لئے باقی رہیں گے۔ قرآن نے جنتی معاشرے کے تذکرے میں تجری من تحتہا الانہر کو بڑی اہمیت دی ہے۔ خدا کرے کہ مٹی اور پانی کی نہروں کے بعد (جو ایک جنتی معاشرے میں کم اہمیت نہیں رکھتیں) سرزمین پاکستان باہمی مودت و ائتلاف کی ان نہروں سے بھی سیراب ہونی شروع ہو جائے جن کے چشمے پاکیزہ دلوں کی گہرائیوں سے پھوٹا کرتے ہیں۔ عَیۡنًا یَّشۡرَبُ بِہَا عِبَادُ اللّٰہِ یُفَجِّرُوۡنَہَا تَفۡجِیۡرًا (۷۶:۶)

قرآنی فکر کی نشر و اشاعت

آپ اس میں کس طرح حصہ لے سکتے ہیں

طلوع اسلام قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اسکا لٹریچر جسقدر زیادہ شائع ہوگا اسی قدر قرآنی فکر عام ہوگی اور اسی نسبت سے قرآنی انقلاب قریب سے قریب تر آتا جائیگا۔ اس کے لئے طلوع اسلام نے "پیشگی خریداران" کی اسکیم جاری کی ہے۔ یعنی اگر آپ ایک سو روپیہ پیشگی ادا کردیں (یک مشت یا پچیس روپے کی ماہانہ اقساط میں) تو آپ کا حساب کھول لیا جائیگا اور اس میں سے آپ کو طلوع اسلام کی شائع کردہ کتابیں بلا محصول ڈاک گھر بیٹھے ملتی جائینگی تاآنکہ آپ کی پیشگی رقم پوری نہ ہوجائے۔ اس طرح — — —

- آپ کی پیشگی رقم ہمیں مزید کتابیں شائع کرنے میں سہولت مل جائیگی۔ اور
- آپ کو طلوع اسلام کی کتابیں بلا محصول ڈاک خود بخود ملتی چلی جائینگی۔ اگر آپ اس وقت تک اس اسکیم میں شامل نہیں ہوئے تو اب شامل ہوجائیے۔

معاملہ کی ضروری باتیں

- طلوع اسلام آپ کا اپنا ادارہ ہے اس لئے اس سے اسی طرح کا برتاؤ کیجئے جس طرح اپنوں سے برتاؤ کیا جاتا ہے۔ یہ بھی آپ سے ایسا ہی برتاؤ کریگا۔
- حساب میں بعض اوقات غلطی ہوسکتی ہے۔ ایسی غلطی باہمی افہام و تفہیم سے صاف کرلیجئے۔
- رسالہ کے انتظامی معاملات کے متعلق الگ خط لکھئے۔ کتابوں کے لئے الگ۔
- مضامین کے متعلق مدیر کے نام علاحدہ خط لکھئے۔ نیز استفسارات مدیر کے نام الگ بھیجئے۔
- پتہ کی تبدیلی سے کم از کم دو ہفتہ پہلے اطلاع دیجئے۔
- پرچہ نہ ملنے کی اطلاع تاریخ اشاعت کے ایک ہفتہ کے اندر دیجئے۔ بعد میں رسالہ قیمتاً بھیجا جائیگا۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۷۳۱۳ — کراچی — ۳

[illegible]

ضخامت ۲۱۴ صفحات مجلد مع گرد پوش قیمت

علاوہ محصول ڈاک

Title Printed at Mucid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi [illegible]